کربلا کا اخلاقی پیغام



جواد محدثی

کربلا

کا

اخلاقی پیغام

حجۃ الاسلام والمسلمین جواد محدثی

مترجم
غلام حسین متو

مطہری فکری و ثقافتی مرکز۔ کشمیر

نام کتاب: کربلا کا اخلاقی پیغام

مصنف: حجۃ الاسلام والمسلمین جواد محدثی

مترجم: غلام حسین متو

نظر ثانی: فدا حسین بالہامی

سال طبع: ۲۰۱۵

تعداد: ۲۰۰۰

مالی معاونت: یونیک کالج آف ایجوکیشن، مرگنڈ پٹن

ناشر: مطہریؒ فکری و ثقافتی مرکز۔ کشمیر

فہرست

عاشورا

عاشورا انسان کی زندگی کا ایک مکمل صفحہ

علامہ سید خامنہ ای

ہماری بات

"کُلُّ اَرضٍ کربلا وَ کُلُّ یومٍ عاشورا" ایک ایسا نعرہ جو واقعہ کربلا کے تسلسلِ پیہم کی جانب اشارہ ہے اور یہ بتاتا ہے کہ کربلا صرف عراق کے ایک خطہ میں محدود نہیں اور واقعہ عاشورا صرف سن 61 ہجری کا واقعہ نہیں جو رونما ہو کر ختم ہو گیا ہو بلکہ یہ زمین وزمان پر محیط مسلسل ایک تحریک کا نام ہے جو صدیوں سے جاری ہے اسی لئے اسکے اثرات بھی جاری و ساری ہیں اور اس کے پیغامات بھی ہر زمان و مکان کے افراد کے لئے جاری ہیں۔

جب محرم الحرام کا مہینہ آتا ہے تو دنیا کے کروڑوں افراد واقعہ کربلا کی یاد مناتے ہیں اور شہدائے کربلا کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں لیکن ہم میں اکثر افراد ایسے ہیں جو کربلا کے مقصد اور اس کے آفاقی پیغام کی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں جبکہ اس محرم اور ان عزاداریوں کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ کربلا کا پیغام دنیا کے گوشگزار کیا جائے اور انہیں حقیقی کربلا سے آگاہ کیا جائے لیکن کیا کیا جائے کہ خرافات وانحرافات کے کالے دھووں نے اس طرح اپنا بسیرا بسا لیا اور ڈیرا جما لیا ہے کہ کربلا کا حسن و جمال نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ڈاکٹر پیام اعظمی صاحب کے بقول ؎

لوبان کا دھواں ہے نگاہوں کا سدّ راہ

حسن وجمال کرب وبلا کیا دکھائے دے

لیکن جن افراد نے حقیقی کربلا کے حسن و جمال کو دیکھا ہے انہوں نے اس سے پیغام بھی لیا ہے اور سرمایہ بھی جس کی ایک مثال عصر حاضر میں رہرِ وِراہ حسینی حضرت امام خمینیؒ تھے جو فرمایا کرتے تھے: "ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ کربلا کی دین ہے" لہٰذا ضرورت ہے کہ عزاداری منانے کے ساتھ ساتھ ہم کربلا کے پیغام کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں اور اس پیغام کو پوری دنیا میں عام کریں جو حقیقت میں ایک زینبی مشن ہے۔

اسی تناظر میں عاشقان حسینی اور امت کربلائی کو کربلا کے مختلف پیغامات سے آشنا کرنے کی غرض سے "استاد جواد محدثی دام ظلہ" کی کتاب "کربلا کا اخلاقی پیغام" کو زیور طبع سے آراستہ کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ اس کتاب کا مطالعہ واقعہ کربلا کے اخلاقی پیغامات کو سمجھنے میں آپ کے لئے مددگار ثابت ہوگا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مطہریؒ فکری و ثقافتی مرکز۔ کشمیر

کربلا کا اخلاقی پیغام

دین اسلام کی عمارت اعتقاد و احکام کے ساتھ اخلاق جیسے اساسی ستون پر قائم ہے۔ انسانی رفتار و گفتار میں للہیت پیدا کرنا اور اخلاقی قدروں کی تکمیل ہی بعثت انبیاء کا بنیادی ہدف ہے چنانچہ پیغمبر اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "انی بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔" {میں اخلاق کو پایہ تکمیل تک پہونچانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں}

پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ اطہار علیہم السلام اپنی زندگی میں اس بات کے لئے کوشاں رہے کہ انسان کے رفتار و گفتار کی تصحیح کر کے اس کے قلب و روح کی پاک اور زرخیز زمین میں اخلاقی کمالات اور بلند انسانی خصلتوں کا بیج بویا جائے۔ ظاہر ہے اخلاق معصوم ہی کے رفتار و گفتار سے سیکھا جانا چاہیئے چونکہ یہی ہستیاں ہی تو اللہ کے پسندیدہ انسانی کردار کا سرچشمہ اور پورے عالم انسانیت کے لئے نمونہ عمل ہیں۔ اس لحاظ سے عاشورا بھی کوئی انہونی چیز نہیں ہے بلکہ اخلاق و کردار حسینی ہی کا مظہر اور خدا کی معصوم حجت کی رفتار و گفتار پر مشتمل مکارم اخلاق ہی کا ایک عملی روپ ہے۔

خود واقعہ کربلا، امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت (ع) کے ارشادات اور تحریک عاشورا کے جیالوں کے پاک جذبات نیز ان کا اخلاق و کردار جو تحریر کی وساطت سے محفوظ کر لیا گیا ہے انسانی کرامات، دینی تربیت، معاشرتی طور

طریقوں اور اخلاق و آداب سیکھنے کے لئے نیز تزکیہ نفس میں نمونہ عمل کے طور پر انتہائی قیمتی اور گرانقدر ذخیرہ ہے۔

صبر، ایثار، توکل، وفا، جواں مردی، عزت، شجاعت، کرامت اور ہمدردی کربلا کے اخلاقی پیغامات کے چند نمونے ہیں اس تاابد باقی رہنے والے واقعہ کے ہر گوشہ میں اخلاقی جلوے نظر آتے ہیں۔

روحانی آزادی

غلامی کے مقابلہ میں آزادی ایک سماجی اور حقوقی (civil) اصطلاح ہے لیکن حقیقی آزادی اس آزادی سے کہیں بلند اور برتر ہے۔ حقارت و ذلت کے زندان سے رہائی اور انسانی حریت ہی اس کا اصلی مفہوم ہے۔ جب انسان اس معنوی آزادی کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کٹھن راہ میں دنیا، دولت، خاندان، قوم، عہدہ، منصب، آل و اولاد اس کے آڑے آتے ہیں۔ مادی الجھنوں اور خواہشات نفس کا اسیر ہو جانا عزم انسانی کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔

جب طے ہے کہ انسان کی قیمت بلند ہمتی، روح کی پاکیزگی اور نیک خصلتوں ہی میں پوشیدہ ہے تو اپنے کو شہواتِ دنیا کے ہاتھ سستے داموں میں فروخت کر دینا ذلت نہیں تو اور کیا ہے؟!

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں: "کیا کوئی آزاد نہیں ہے جو اس جھوٹی دنیا کو اس کے اپنوں کے لئے چھوڑ دے یقین کرو تمہارے وجود کی قیمت جنت کے

سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہوسکتی پس اپنے کو جنت کے علاوہ کسی اور شئے کے بدلے نہ بیچو۔"[1]

حقیقی آزادی اس میں ہے کہ انسان اپنے شرف اور بزرگی کو پہچان لے خود کو پست، ذلیل، حقیر اور اسیر نفس نہ ہونے دے تاکہ انسانی قدریں پامال ہونے سے بچ جائیں۔

زندگی کے نشیب و فراز میں کبھی کبھی اس طرح کے مناظر دکھائی دے جاتے ہیں کہ لوگ حصول دنیا یا جو کچھ ان کے پاس ہے اسے بچانے یا اپنی تمناؤں اور آرزؤں کو پورا کرنے یا چند روز اس دار فانی میں زندہ رہنے کی خاطر باآسانی ہر طرح کی حقارت اور اسیری کو قبول کرلیتے ہیں لیکن حریت آموز اور آزاد منش جان کی بازی لگا کر آزاد رہتے ہیں اور کسی بھی قیمت پر ذلت و رسوائی قبول نہیں کرتے امام حسینؑ فرماتے ہیں: "عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔"[2]

حیات و کائنات کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھنا حر اور آزاد لوگوں کا ہی خاصہ ہے۔ تحریک عاشورا امام حسینؑ، ان کے خاندان اور ان کے شہید ہونے والے اصحاب و انصار کی حریت و آزادی کی واضح تصویر ہے۔ اگر یہاں آزادی اور روحانی بالیدگی نہ ہوتی تو امام بیعت کرلیتے اور قتل ہونے سے بچ جاتے۔ جب لوگوں نے ان سے یزید کے حق میں زبردستی بیعت لینا چاہی تو آپ مرعوب و مغلوب نہ ہوئے ان کی منطق یہ تھی "نہیں خدا کی قسم! نہ تو ذلیل ہو کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح اس کی حکومت کے آگے جھکوں گا۔"[3]

---

[1] ۔ نہج البلاغہ، صبحی صالحہ، حکمت ۴۵۶

[2] ۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۴۱

[3] ۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۴۲۱

کربلا میں بھی اسی آزادی اور حریت کا جلوہ نظر آرہا تھا کہ انہوں نے شمشیر یا ذلت میں سے باعزت موت کا انتخاب کرکے دشمن کی تلواروں کو گلے لگا لیا اور فرمایا: "آگاہ ہو جاؤ! مجھے ایک ناجائز باپ کے ناجائز بیٹے نے دو چیزوں یعنی موت اور ذلت میں سے ایک کے انتخاب پر مجبور کردیا ہے۔ ذلت تو ہم سے کوسوں دور ہے۔"[4] آپ روز عاشور بھی دوران جنگ دشمنوں کی صفوں پر حملہ کے دوران یہ رجز پڑھ رہے تھے: "موت ذلت سے بہتر ہے اور ذلت آتش دوزخ سے بہتر ہے۔"[5]

امام علیہ السلام کے قلب وروح میں رچے بسے جذبہ حریت کا ہی اثر تھا کہ جس وقت آپ زخموں سے نڈھال زمین کربلا پر لیٹ گئے اور دشمن چاہتا تھا کہ آپ کے فرزند اور مخدرات عصمت وطہارت کے خیام پر حملہ آور ہو تو آپ تڑپ اٹھے اور انہیں حریت وآزادی کی دعوت دی "اگر تمہارا کوئی دین وایمان نہیں ہے، اگر تم قیامت سے نہیں ڈرتے ہو تب بھی کم سے کم اپنی دنیا میں تو آزاد رہو۔"[6]

امام کے جانثار اصحاب اور کربلا کے شہداء کی تہذیب وثقافت، آزادی اور حریت کے سوا کچھ نہ تھی۔ کوفہ میں تحریک حسینی کے رہبر جناب مسلم بن عقیل سپاہ ابن زیاد کے سامنے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور جنگ کرتے جاتے تھے: کہ "اگرچہ موت مجھے ناپسند لگ رہی ہے لیکن قسم کھاتا ہوں کہ فقط حر اور آزاد قتل کیا جاؤں گا۔"[7] قابل غور بات یہ ہے کہ بالکل یہی رجز مسلم بن عقیل کے فرزند

4۔ لھوف، سید بن طاؤس، ص ۵۷
5۔ کشف الغمہ، اربلی، ج ۲، ص ۳۲
6۔ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۵۱
7۔ ایضاً ص ۳۵۲

حضرت عبد اللہ بھی میدان کربلا میں جنگ کے دوران پڑھ رہے تھے[8] جو اس بات کی دلیل ہے کہ پورے خاندان کا فکری ارتباط آزادی اور حریت کی بنیاد پر قائم ہے۔

قبیلۂ غفار کے دو اور شہید عبد اللہ اور عبد الرحمن فرزندان عروہ، روز عاشورا اپنے رجز میں لوگوں کو بنی الاحرار (نسل آزاد) کا دفاع کرنے کی طرف دعوت دے رہے تھے اور اسی عنوان (نسل آزاد) سے آل پیغمبر کو یاد کر رہے تھے۔[9]

اس حریت و آزادی کے ایک دوسرے متوالے کا نام حر بن یزید ریاحی ہے جس کے جذبۂ حریت نے اسے دنیا اور دنیاوی حکومت کی خاطر جہنمی ہونے سے بچالیا اس طرح اس نے اپنی شہادت کا نذرانہ پیش کر کے جنت خرید لی، اس نے توبہ کی، ابن زیاد کے لشکر سے نکل کر امام حسین سے ملحق ہوگیا اور پھر صبح عاشور مردانہ وار دشمنوں سے لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کر لیا۔ جس وقت حر امامؑ کے پاس آپہنچا تو آپ کے ایک صحابی نے حر کے مقام حریت و آزادی کے تئیں یہ شعر پڑھ کر مدح و ثنا کی:

لنعم الحر حرُ بنی ریاح

وحرٌ عند مختلف الرماح

(بنی ریاح کے حر کا کیا کہنا وہ تلواروں کی چمک اور نیزوں کی کھنک کے وقت بھی حر اور آزاد ہے)۔[10]

8۔ ایضاً

9۔ وقعۃ الطف، ص ۲۳۴

10۔ ارشاد، شیخ مفید، ج ۲، ص ۱۰۰

وقت شہادت امام بنفس نفیس اس کے سرہانے حاضر ہوئے اور اسے حر اور آزاد کے نام سے مخاطب کرکے فرمایا: "تمہاری ماں نے تمہارا نام بجا طور پر حر رکھا ہے تم دنیا میں بھی سعادت مند و آزاد ہو اور آخرت میں بھی سعادت مند و آزاد ہو۔ "انت حر كما سمتك امك و انت حر في الدنيا و انت حر في الآخرة۔"[11]

دنیا کے حریت پسند اور آزاد لوگ طاغوتوں کے خوفناک پنجوں اور ظلم سے چھٹکارا پانے کے لئے کربلا والوں ہی کو نمونہ عمل بنا کر مصروف جنگ ہیں۔ اسی درس حریت کی تاثیر ہے جو تاریخ کے ہر موڑ کے لئے کربلا کا عظیم تحفہ ہے۔ آزاد منش افراد ان حساس اور کٹھن لمحات میں کہ جن میں فیصلہ کرنا انتہائی سخت ہوتا ہے موت کا انتخاب کرکے جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور انتہائی فداکارانہ انداز سے شہادت پا لیتے ہیں اور سماج کو ذلت کی زنجیروں سے نجات دلانے کی خاطر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

ایثار

جان و مال کے اعتبار سے اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے کا نام ایثار ہے یہ ان بیش قیمتی اخلاقی صفتوں میں سے ایک صفت ہے کہ جسے قرآن کریم اور روایات معصومین میں بہت زیادہ سراہا گیا ہے۔ اور اس کا اصل سرچشمہ انسان کا خود پسندی سے نجات پر مبنی ہے۔ قرآن پاک بڑے فخر سے ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو باوجود اس کے کہ خود بھی ضرورت مند ہیں مگر اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں ارشاد ہوتا ہے:

---

[11] ۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۱۴۔ وقعۃ الطف، ص ۲۱۵

"ویوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔"[12]

(سورۂ حشر، آیت ۹)

{اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں خود کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو}

اپنی خواہشات اور آرزؤں کو دوسروں کی راہ میں نچھاور کردینے کو ایثار کہا جاتا ہے اور اپنی جان اور خون کے ذریعہ ایثار کرنا ایثار کی معراج ہے۔ ایثار جیسی عظیم صفت کا مالک وہ ہے جو ہمہ وقت خدا کے دین کے لئے اپنی جان کی قربانی کے لئے آمادہ ہو اور اس معبود حق کی مرضی کے لئے اپنی مرضی اور چاہت کو فدا کردے۔

کربلا کے منظر نامہ میں سید الشہداء علیہ السلام وہ پہلے فرد تھے جو ایثار کو اپنا کر دین خدا پر فدا ہونے کے لئے تیار ہو گئے اور خدا کی رضا کو ہر شئے پر ترجیح دیتے ہوئے لوگوں سے بھی یہی چاہا کہ جو لوگ اس راہ میں اپنے لہو کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ ہیں اس سفر میں ان کے ساتھ ہم قدم ہو سکتے ہیں۔[13]

اصحاب میں سے بھی ہر ایک نے بڑے ایثار کے ساتھ اپنی جان اپنے آقا پر نچھاور کردی۔ پورے واقعہ کربلا میں مختلف مقامات پر ایثار کے بڑے حسین مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

جب ابن زیاد کی افواج کو خبر ہوئی کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں ہیں تو انہوں نے ہانی کو طلب کیا اور ان سے حضرت مسلم کو ان کے حوالے کردینے کا مطالبہ کیا اس موقع پر جناب ہانی حضرت مسلم کو ان ظالموں کے حوالے کرکے اپنی جان بچا سکتے تھے مگر ہانی، مسلم کی خاطر قتل ہو جانے کے لئے تو تیار ہو گئے لیکن مسلم کو ان کے سپرد کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے چنانچہ ان کی اس دھمکی کا ڈٹ کر جواب دیا" خدا کی قسم! تنہا، بے یار و مددگار بھی ہو جاؤں مگر

---

[12] ۔ سورۂ حشر، آیت

[13] ۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۶۶۔ حیاۃ الامام الحسین بن علی، ج ۳، ص ۴۸

انہیں (حضرت مسلمؑ کو) ہر گز تمہارے حوالے نہ کروں گا مگر یہ کہ ان کی نصرت کرتے کرتے مر جاؤں۔"[14]

جب مسلمؑ بن عقیل کو دار الامارہ کی چھت پر لے گئے تو کچھ فریقین کے مابین تلخ گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ مسلم کو قتل کر دیا جائے تو جناب مسلم رونے لگے وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے کہا: "جس شخص کے پیشِ نظر ایسے بلند تر مقاصد ہوں اسے رونا نہیں چاہیے (بلکہ ان کٹھن دنوں کا بھی محاسبہ کرنا چاہیے)" تو جناب مسلم نے کہا: "میں اپنے لئے نہیں رو رہا ہوں بلکہ حسینؑ اور ان کے اہل بیت کے لئے گریہ کر رہا ہوں۔"[15]

یہ ان کے ایثار کی نشانی ہے کہ اگر حریم شہادت میں گریہ بھی ہے تو اپنے لئے نہیں بلکہ مظلوم کربلا کے لئے کہ افسوس! میرے خط کی وجہ سے جس میں میں نے کوفہ کا ذکر کیا ہے (کہ یہاں لوگ آپ کے ساتھ ہیں آپ تشریف لے آئیں) مولا و آقا اس پر فریب شہر اور بے وفا قوم کی طرف چل پڑے ہیں۔

امام حسین نے عقیل اور مسلم بن عقیل کے فرزندوں سے کہا:

"تمہارے لئے تو مسلم کی شہادت ہی کافی ہے اب تم لوگ کربلا کے منظر نامہ سے اپنے کو ہٹا لو۔" تو انہوں نے ایک زبان ہو کر کہا: "خدا کی قسم! ہم ایسا ہر گز نہیں کریں گے، ہم اپنا جان و مال، آل و اولاد نیز زندگی سب آپ پر نچھاور کر دیں گے اور تا دم شہادت آپ کے ہم رکاب ہو کر میدان جنگ میں ڈٹے رہیں گے۔"[16]

---

[14] ۔واللہ لولم اکن الاواحداً لیس لی ناصر لم ادفعہ الیہ حتی اموت دونہ (وقعۃ الطف، ص119) مقتل خوارزمی، ج1، ص205.

[15] ۔مقتل خوارزمی، ج۱، ص۲۱۱

[16] ۔ایضاً

شب عاشور اصحاب امام (علیہ السلام) کے ایثار سے لبریز تاثرات بہت مشہور ہیں ایک ایک کھڑا ہوتا ہے اور اپنے آقا کی خدمت میں اپنی جان اور خون کا تحفہ پیش کرنے کے لئے آمادگی کا اظہار کرتا ہے اس پوری گفتگو میں سے نمونہ کے طور پر مسلم بن عوسجہ کا یہ کلام دیکھیں:

"میں ہر گز آپ سے جدا نہ ہوں گا، چاہے ان سے جنگ کے لئے میرے پاس کوئی بھی اسلحہ نہ ہو۔"[17]

سعید بن عبداللہ حنفی، زہیر بن قین اور دوسرے اصحاب کے بیانات بھی ایثار سے لبریز جذبات کے بہت ہی واضح اور لافانی نمونے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان میں سے چند ایک کچھ اس طرح گویا ہوئے: "خدا کی قسم! ہم آپ سے ہر گز جدا نہیں ہونگے، ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں ہم اپنے جسم و خون سے آپ کی حمایت و نصرت کرتے رہیں گے۔"[18]

جی ہاں! ہماری رگوں میں دوڑتا ہوا خون اپنے آقا کی خدمت میں ایک ہدیہ ہے۔ عصر عاشور لشکر کوفہ خیموں پر حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ رہا تھا جب جناب زینب (سلام اللہ علیہا) نے دیکھا کہ شمر ملعون ننگی تلوار لیے ہوئے امام زین العابدین علیہ السلام کو قتل کر دینے کے در پے ہے۔ تو سیدہ زینب (سلام اللہ علیہا) نے فرمایا: "یہ ہر گز قتل نہ ہوں گے مگر یہ کہ میں ان کے لئے قربان ہو جاؤں گی۔"[19]

کسی تحریک کا رہنما اپنے باایثار حامیوں کی زبردست پشت پناہی کی بنا پر ہی پر خطر مراحل اور دشوار گزار وادیوں میں قدم رکھتا ہے۔ اگر پیروکار جان و مال کے

---

[17] ۔وقعۃ الطف، ص۱۹۸

[18] ۔ واللہ لانفارقك ولكن انفسنالك الفداء، نفيك بنحورنا وجباهنا وايدينا... (ہمان، ص199)

[19] ۔لايُقتلُ حتى اُقتَلَ دونه (مقتل الحسین، مقرم، ص387)

ایثار کے لئے نیز سکون و زندگی قربان کر دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو رہنما تنہا رہ جاتا ہے اور حق کی نصرت کرنے والا کوئی نہیں رہتا ہے۔ انقلاب کربلا میں امامؑ کے اعزاء و اصحاب نے دین خدا بچانے کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ آزادی اور بقاء امت کی خاطر قتل و اسارت سب کچھ قبول کر لیا۔ امام کے شہید ہو جانے والے اصحاب نے جب تلک زندہ تھے بنی ہاشم میں سے کسی کو میدان میں جا کر شہید نہ ہونے دیا۔ بنی ہاشم بھی جب تک زندہ تھے ایک ایک کر کے جان دیتے رہے اور امامؑ کے ہم رکاب ہو کر شہید ہوتے رہے چنانچہ حسین ابن علی (علیہ السلام) سلسلۂ شہادت کی آخری کڑی تھے آپ نے جب صحرائے کربلا میں نظر دوڑائی تو اصحاب و انصار میں سے کوئی باقی نہ رہ گیا تھا۔

ایثار کا ایک دوسرا نمونہ ابوالفضل العباس کا عظیم کارنامہ ہے جہاں آپ نے ایک طرف ابن زیاد کی طرف سے شمر کے ذریعہ امان کی پیش کش کو ٹھوکر ماردی اور شب عاشور امامؑ سے مخاطب ہو کر کہا: "میں آپ کی نصرت سے باز نہ آؤں گا، آپ کے بعد خدا میری زندگی کو دوام نہ دے۔"[20] وہیں دوسری طرف روز عاشور جب تشنہ لب امام اور ان کے پیاسے بچوں کے لئے پانی لینے لب فرات پہنچے، مشک بھری، چلو میں پانی لیا چاہا کہ پی لیں لیکن امام حسینؑ کی تشنہ کامی یاد آگئی چنانچہ ابوالفضل العباس کے ہونٹوں اور پانی کے درمیان ایثار و وفا حائل ہو گئی کہ خود پانی پی لیں اور امام حسین اور ان کے ننھے ننھے بچے پیاسے رہ جائیں نہر فرات سے باہر آئے اور پیاسے شہید ہو گئے۔ یہاں بھی انتہائی پیاس کے موقع پر پانی نہ پینا اور دوسروں کی پیاس کو پیش نظر رکھنا ایثار کا انتہائی عظیم نمونہ نہیں تو اور کیا ہے۔

آب شرمندہ ز ایثار علمدار تو شد

کہ چرا تشنہ از او این ہمہ بی تاب گذشت

20۔ مقتل الحسین، مقرم، ص ۲۹۰

(پانی آپ کے علمدار کے ایثار کو دیکھ کر شرمندہ ہوا کہ وہ کیوں پیاسے ہی بے تابی کے ساتھ چلے گئے)

سعید بن عبداللہ نے کربلا میں ایثار کا ایک انوکھا مظاہرہ کیا، امامؑ جس وقت محو نماز تھے تو آپ دشمن کی طرف سے آنے والے تیروں کے آگے ایک ٹھوس دیوار کی مانند سینہ سپر ہوگئے۔ جب امام نے نماز ختم کی تو سعید جسم پر تیرہ عدد تیروں سمیت زمین پر گرے اور شہید ہوگئے۔

یہاں پر ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ کربلائی اور عاشورائی صفات کا مالک وہی شخص ہے جو دوسروں کی خاطر فداکاری وایثار کو اپنا شعار بنالے۔

انسان کا تقدس و تکریم

باطل پرستوں کا امتیاز یہ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کو فقط اپنی ضروریات پوری کرنے اور ذاتی منافع کے حصول کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں لیکن اہل حق کی نظر میں بندۂ مومن بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے۔ چونکہ حق و حقانیت کی تعظیم و تکریم مسلم ہے لہٰذا حق پرست مومن بھی باعظمت ہے۔ اسلام میں انسان صاحب عزت ہے اور اپنے ایمان کے باعث لائق صد احترام ہے۔ عزت و کرامت کا معیار بھی رنگ و نسل، قوم و قبیلہ، زبان یا جغرافیائی حدود نہیں بلکہ انس، عہد، تقوا اور ایمان ہے چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں اپنے ساتھیوں کو عزت سے نوازا اور انہیں حق کے سب سے زیادہ باوفا ناصر و مددگار شمار کیا، آپ وقت شہادت ہر ایک کے سرہانے پہونچ کر اس کا سر آغوش میں رکھتے تھے اور اس عمل میں شہداء کے درمیان کسی تفریق کے قائل نہیں تھے جہاں علی اکبر علیہ السلام کے سرہانے حاضر ہوئے وہیں اپنے غلام "جون" کے سرہانے بھی پہنچے۔

یکجا رخ غلام و پسر بوسه داد و گفت

دردین ما سیہ نکند فرق با سفید

(اپنے بیٹے اور غلام کے رخسار کا ایک ہی جگہ پر بوسہ دے کر حسین (ع) نے بتایا کہ ہمارے دین میں گورے اور کالے کے مابین کوئی تفریق روا نہیں ہے)

خواب غفلت سے بیدار ہو کر حر جب تائب ہوئے او لشکر امامؑ میں آئے تو وہ تذبذب کا شکار تھا کہ نہ معلوم امام حسین (ع) انہیں قبول کریں گے یا نہیں چنانچہ حر کا یہ پوچھنا کہ "هل لی من توبة۔"[21] کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ کے اس رشتۂ امید کی نشاندہی کرتا ہے جو اسے امامؑ کی ذات اقدس سے وابستہ تھا۔ آپ (ع) نے اس کی توبہ اور حق پسندی کو قدر کی نظر سے دیکھا اور یہ کہہ کر اسے عفو و بخشش کی امید دلائی "نعم یتوب الله علیك"[22] کیوں نہیں اللہ تمہاری توبہ ضرور قبول کرے گا۔

یہ ہے اسلام میں اس شخص کی منزلت جس نے تاریکیوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں سے خود کو رہا کر کے نور و نورانیت میں پناہ لے لی ہے اگرچہ ماضی میں معصیت کار اور گناہ گار رہا ہے مگر اب نور ایمان دل میں جاگزیں ہو چکا ہے۔

روز عاشور ابوذر کے غلام "جون" نے امام سے جنگ کی اجازت چاہی لیکن چونکہ جون کٹھن اور سخت دنوں میں اس خاندان کے ساتھ رہا تھا اس کیلئے اِس وقت جان بچا کر چلے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا لہٰذا امامؑ نے اسے فقط اتنی اجازت دی کہ میدان میں جائے مگر قتل نہ ہو یہ سن کر جون نے اپنے کو زمین پر گرا دیا امام کے قدموں کو بوسہ دے کر رونے لگا اور عرض کی کہ اُسے اجازت مل جائے تا کہ اپنا

---

[21] ۔ایضاً، ص ۳۰۴

[22] ۔ایضاً، ص ۲۹۰

خون اہل بیت علیہم السلام کے خون سے ملادے امام نے اجازت دے دی۔ جون میدان میں گئے اور بڑی بہادری سے لڑتے لڑتے شہید ہوگئے امام جون کے سرہانے آپہونچے اور اس کیلئے خدا سے یوں دعاگو ہوئے: "خدایا! اس کے چہرے کو نورانی کردے، اس کے جسم کو معطر کردے اسے محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ محشور فرما۔"[23]

انسانی عزت کا اس سے بہتر نمونہ اور کیا ہوگا؟ کہ محور شرافت و کرامت سید الشہداء علیہ السلام بہ نفس نفیس شہداء کے خون میں لت پت پیکروں کے پاس آکر ان کی عطرِ شہادت سے مشامِ مبارک کو معطر کرتے ان جملوں کے ساتھ اُن کی ستائش اور ان کے قاتلوں پر لعنت کرتے: "قتلة كقتلة النبيين و آل النبيين۔"[24] یہ قاتل انبیاء اور ان کی اولاد کے قاتلوں کے جیسے ہیں۔ یعنی امام اپنے شہید ہونے والے اصحاب کو پیغمبرانہ اوجِ کمال کے حامل اور ان کے قاتلوں کو قاتلان انبیاء کے مساوی قرار دیتے تھے۔

باایمان اور خدا اور اس کے دین کی راہ میں فدا ہو جانے والے باایمان افراد کی عزت و تکریم کرنا کربلا کا عظیم درس ہے جو امام عالی مقام نے دیا۔ جذبۂ جہاد و شہادت پر مشتمل تہذیب کی حفاظت معاشرہ کے لئے ضروری ہے تاکہ فداکار، جانباز، دشمن کی جیلوں سے آزاد ہونے والوں کا نیز شہداء و باایثار افراد کے پسماندگان کا عزت و وقار قائم رہے تاکہ یہ خدائی پلیٹ فارم ہمیشہ پسندیدہ اور پر کشش قرار پاکر اپنے متوالوں سے بھرا رہے۔

23۔ ایضاً، ص ۳۱۳

24۔ حیاۃ الامام الحسین بن علی، ج ۳، ص ۲۳۹

توکل

مصیبت کے وقت اور کٹھن حالات میں ایک محکم اور توانا سہارے کا وجود دشمنوں کے مقابلہ میں بے خوفی اور مشکلات میں ثابت قدمی کا موجب ہوتا ہے چنانچہ توکل؛ خدائی قوت اور اس کی نصرت وامداد پر تکیہ کرنے ہی کا نام ہے۔

قرآن کریم مومنین کو فقط خدا پر بھروسہ کرنے کا حکم دیتا ہے اور روایات میں آیا ہے کہ جو شخص غیر خدا پر بھروسہ رکھے اور اسے پشت پناہ قرار دے وہ ذلیل اور کمزور ہو کے رہ جاتا ہے۔

امام حسین (ع) نے فقط خدا پر توکل کر کے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور مدینہ سے چل نکلے پھر مکہ سے کوفہ کی جانب سفر اگرچہ کوفیوں کے خطوط ہی کے جواب میں تھا لیکن پھر بھی آپ کا اعتماد ان خطوط پر نہیں بلکہ خدا پر تھا۔

اگر آپ نے کوفیوں کے دعوت ناموں پر بھروسہ کر کے اس راہ کا انتخاب کیا ہوتا تو جب آپ نے دوران سفر ان کی بے وفائی اور اپنے بھائی جناب مسلم کی شہادت کی خبر سنی تو آپ واپس چلے آتے لیکن چونکہ اپنا فریضہ انجام دینے میں آپ کا بھروسہ فقط خدا پر تھا لہذا آپ منزل کی طرف رواں دواں رہے۔

یہاں تک کہ آپ نے اس راہ کا انتخاب اپنے ساتھیوں اور ہمراہوں کے بل بوتے پر بھی نہیں کیا تھا اسی لئے تو ان سے بھی یہی کہا تھا کہ جو بھی جانا چاہے جا سکتا ہے۔ آپ کے فقط خدا پر توکل ہی کے باعث کسی بھی طرح کا کوئی حادثہ آپ کے پائے ثبات میں لغزش کا باعث نہیں بنا، مدینہ سے چلتے وقت اپنے مقصد اور

ہدف کو بیان کر کے آخر میں فرمایا: "ما توفیقی الا باللہ، علیه توکلت و الیه انیب۔"[25]

{میری کامیابی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے؛ میں صرف اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔}

جب خزیمیہ کے مقام پر حضرت زینب (سلام اللہ علیہا) نے ہاتف غیبی کی زبانی ایک شعر سنا جس میں اس قافلہ کے انجام کار یعنی موت کی خبر دی گئی تھی آپ پریشان ہو گئیں اور امامؑ کے سامنے اپنی پریشانی ظاہر کر دی تو حضرت نے فرمایا: "جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔"[26]

مقام بیضہ پر آپ نے اپنے اصحاب اور حر کے سپاہیوں سے جو خطاب کیا اس میں انہوں نے ان عہد شکن اور مکار لوگوں کو موردِ تنقید ٹھہرایا جنہوں نے انہیں خطوط لکھے تھے، چنانچہ آپ نے فرمایا: "و سیغنی اللہ عنکم۔" (خدا مجھے تم سب سے بے نیاز کرنے والا ہے)[27] اس طرح آپ نے ان کی مدد سے اپنے کو بے نیاز ظاہر کر کے خدا پر توکل کا اظہار کیا۔

صبح عاشور جب دشمن نے امام کے خیام پر حملہ شروع کر دیا تو آپ نے خدا سے مخاطب ہو کر ہر مصیبت اور گرفتاری میں خدا پر اپنے اعتماد کو اس طرح بیان کیا:

اللھم انت ثقتی فی کل کربٍ و انت رجائی فی کل شدةٍ و انت لی فی کل امر نزل بی ثقة و عدة۔[28]

25۔ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۳۰

26۔ المقتلؒ حوکائن (موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۳۴۲

27۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۳۶۱

28۔ ارشاد، شیخ مفید، ج ۲، ص ۹۶

خدایا! ہر مصیبت میں میرا توکل تجھ ہی پر ہے، ہر پریشانی میں میری امید تو ہی ہے۔ ہر نازل ہونے والی بلا میں تو ہی سہارا اور مرکز اعتماد ہے۔

آپ نے خدا کو "ثقہ" کہہ کر ایک زبردست پشت پناہ اور "عدہ" کہہ کر ایک حامی اور ناصر قرار دیا ہے، مصیبتوں کے بھنور اور میدان شہادت میں اس طرح کی مناجات فقط خدا پر توکل رکھنے والا ہی کر سکتا ہے۔ لشکر کوفہ سے دوسرے مقامات پر خطاب کیا جس میں آپ نے خدا کی طرف سے صالحین کی ولایت اور نصرت پر مشتمل آیات کی تلاوت کر کے خدا پر اپنے توکل کا اظہار کیا: "ان ولیی اللہ الذی نزل الکتاب و ھو یتولی الصالحین۔"[29] یعنی میرا ولی خدا ہے کہ جس نے کتاب نازل کی اور وہی صالحین کا سرپرست ہے اسی طرح روز عاشور ایک خطبہ کا یہ جملہ "انی توکلت علیٰ اللہ ربی و ربکم۔"[30] میں نے خدا پر توکل کیا ہے کہ جو میرا اور تمہارا رب ہے اُس جذبہ اور یقین کی ایک اور مثال ہے۔

راستہ میں بھی جب آپ کی ضحاک بن عبداللہ مشرقی سے ملاقات ہوئی اور اس نے آپ سے جنگ کے لئے کوفیوں کی آمادگی کا اعلان کیا تو آپ کا جواب فقط یہ تھا "حسبی اللہ و نعم الوکیل" خدا میرے لئے کافی ہے اور وہی بہترین سہارا ہے۔[31]

زندگی کے آخری لمحات میں بھی آپ کے جذبات کچھ ایسے ہی تھے جب آپ زخمی حالت میں نیزہ کھا کر زمین پر گرے تب بھی اپنے معبود سے آپ نے عارفانہ مناجات میں قادر متعال پر توکل ہی کا ذکر کیا "استعین بك ضعیفاً و

---

[29] ۔ اعراف، آیہ ۱۹۶

[30] ۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۹

[31] ۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۳۶۱

اتوکل علیك كافیاً۔" میں اپنی کمزوری میں تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں اور تجھ ہی پر توکل کرتا ہوں کہ تو ہر چیز سے کفایت کرنے والا ہے۔[32]

مدینہ سے چلتے وقت محمد بن حنفیہ کے نام تحریر کردہ وصیت نامہ سے لیکر مقتل میں زندگی کے آخری لمحات تک ہر جگہ توکل بر خدا کا جذبہ نمایاں طور پر نظر آرہا ہے۔ اصل تحریک کی ابتدا سے آخر تک شدید مصائب اور سخت بحرانی حالت میں توکل کے ساتھ ساتھ آپ نے تحریک کے لئے تمام ضروری اور مناسب مقدمات بھی فراہم کر رکھے تھے۔ مطلب یہ کہ توکل، ہدف تک رسائی میں عمل اور وسائل کو بروئے کار لانے سے جدا نہیں ہے اسی کو واقعی توکل کہتے ہیں۔

انقلاب اسلامی اور ایران عراق آٹھ سالہ جنگ کے دوران ہم نے تحریک کربلا سے سیکھے ہوئے درس توکل کو عملی شکل دے کر اپنا پشت پناہ سیاسی گروہوں، ملکی ذخائر اور جدید اسلحے نہیں بلکہ فقط ذات خدا کو قرار دیا... اس توکل کے منادی اور توکل کرنے والی امت کے ترجمان امام خمینیؒ نے فرمایا: "جس دن ہم نے خدا کو چھوڑ کر تیل پر یا اسلحوں پر تکیہ کر لیا جان لیجیے کہ اسی دن سے ہم رو بہ شکست ہیں۔"[33]

دوسرے مقام پر فرمایا:

"ہر کام میں خدا پر توکل کرو بڑی طاقتیں قدرت خدا کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ خدا پر توکل کرو، ہر شئے پر غالب ہو جاؤ گے۔ پیغمبر ﷺ اگرچہ فرد واحد تھے لیکن خدا پر توکل کر کے آپ نے سب دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ چونکہ آپ کا توکل خدا پر تھا جبرئیل امین آپ کے پشت پناہ تھے، تم بھی خدا پر توکل کرو

32۔ مقتل الحسین، مقرم، ص ۳۵۷

33۔ صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۱۱

تاکہ جبرئیل امین تمہاری بھی پشت پناہی کریں تمہارے ساتھ فرشتے بھی تمہاری ہمراہی کریں۔"[34]

نفس سے جہاد

خدا کی مرضی کے مقابل اپنی خواہشوں کو قربان کر دینا، دنیاوی محبت، شہوت، غضب اور خواہشات کو کنٹرول کرنا اور نفسانی تمناؤں کے ساتھ جنگ کرنا بیرونی دشمنوں سے جہاد کرنے کی بنسبت زیادہ بہتر اور مشکل ہے۔

بیرونی دشمن سے جہاد بھی روحانی تعمیر و تربیت اور جہاد با نفس کی بنیاد پر ہونا چاہئے بغیر اس کے وہ جہاد بھی بے فائدہ اور لاحاصل ہے چونکہ اس طرح مجاہد میں ریا، خود پسندی، غرور، ظلم اور زیادتی پیدا ہو جاتی ہے۔

جو شخص داخلی محاذ پر ہوائے نفس کو شکست دے دے وہ خارجی سطح پر ہر میدان میں فاتح ہے لیکن جو شخص نفسانی خواہشات کو بے لگام چھوڑ دے تو سرکش نفس اسے زمین پر پٹک دے گا یا بقول مولائے کائنات اسے جہنم میں ڈھکیل دے گا۔[35]

واقعہ کربلا میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے نفس سے جہاد اختیار کر رکھا تھا اسی لیے اُن کے محرکات میں کسی طرح کے ہوا و ہوس کا کوئی دخل نہیں تھا چنانچہ وہ مال و متاع، مقام و منصب، خواہشات و خوشحالی اور عیش و نوش جیسے ہر جذبہ پر غالب تھے۔[36]

---

[34] ۔ ایضاً، ج ۲۲، ص ۱۹۷

[35] ۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶

[36] ۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۳۴۲

کربلا کے ایک شہید عمرو بن قرظہَ انصاری لشکر امام میں شامل تھے جبکہ آپ کا بھائی "علی بن قرظہ" ابن سعد ملعون کے لشکر میں تھا لیکن آپ نے اپنے قلب وروح کو اس قدر پختہ کرلیا تھا کہ بھائی کی محبت انہیں امام کی نصرت سے پیچھے نہ ہٹا سکی اور انہوں نے لشکر امام میں رہ کر بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے دشمنوں کے ساتھ جنگ کی۔

محمد بن بشر خضرمی امام کے ساتھ تھے جب یہ خبر انہیں ملی کہ "رے" کی سرحد پر آپ کے بیٹے کو گرفتار کرلیا گیا ہے امام نے اجازت دیدی کہ کربلا چھوڑ دیں اور جاکر اپنے فرزند کو آزاد کرانے کی کوشش کریں مگر آپ نے دین کی راہ میں بیٹے کی محبت نثار کردی اور امام کے ساتھ رہ کر اپنی وفا کا ثبوت دیا۔[37]

کربلا کے ایک اور شہید نافع بن حلال کے ساتھ آپ کی ہونے والی اہلیہ تھیں جن سے ابھی شادی نہیں ہوئی تھی جب کربلا میں آپ میدان میں جانے لگے تو وہ دامن گیر ہوکر رونے لگیں کسی جوان کے متزلزل ہو جانے اور اس سے جذبہ شہادت چھن جانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا مگر امام کی اس اجازت کہ اپنی شریک حیات کی خوشی کو میدان جانے پر مقدم رکھیں، کے باوجود اس بشری محبت پر غالب آگئے اور کہا یابن رسول اللہ! اگر آج آپ کی نصرت سے دست بردار ہو جاؤں گا تو کل رسول اللہ کو کیا منہ دکھاوں گا چنانچہ آپ جنگ میں شہید ہوگئے۔[38]

مسلم بن عقیل کے فرزند عبداللہ بھی میدان میں جاکر لڑے ایک روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے ان سے فرمایا تمہارے گھرانے کے لئے مسلم ہی کی شہادت بہت ہے اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر جنگ سے کنارہ کش ہو جاؤ تو اس پر

37۔ اعیان الشیعہ، ج۱، ص ۶۰۱

38۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۴۴۷

انہوں نے جواب دیا کہ قسم بخدا! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔[39]

عباس بن علی علیہما السلام جب روز عاشور فرات کے گھاٹ پر وارد ہوئے تو آپ نے چلو میں پانی لیا مگر امام اور ان کے اہل بیت کی پیاس یاد کر کے پانی فرات کے منھ پر دے مارا اور تشنہ لب ہی لوٹ آئے۔[40]

یہ سارے واقعات جہاد بالنفس کے میدان میں کربلا والوں کی زبردست کامیابی کی علامت ہیں عالم یہ ہے کہ کوئی عشق امام میں بیٹے اور بیوی کی محبت کو قربان کر رہا ہے، کسی نے امام کی پیاس کو دیکھ کر اپنی پیاس بھلا دی ہے، کوئی امام کے بغیر زندگی کو بے معنی قرار دیتا ہے، کوئی شہادتِ پدر کا غم سے مملو ہے لیکن اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کسی طرح کی کوتاہی سے کام نہیں لیتا۔

عباس بن علی اور ان کے بھائیوں کو امان دی گئی مگر انہوں نے ٹھکرا دی، امام نے اپنے اصحاب باوفا کو مستقبل قریب میں شہید ہو جانے کی خبر دی مگر وہ آپ کو تنہا چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، کوفہ میں جناب ہانی پر اس بات کے لئے سختی کی گئی کہ وہ جناب مسلم کو دشمن کے حوالہ کر دیں مگر انہوں نے شہادت کو گلے لگا لیا لیکن مسلم کو ظالم کے حوالے نہیں کیا، روز عاشور امام حسینؑ صبر و تحمل سے کام لے کر اپنی طرف سے جنگ کا آغاز نہیں کرتے ہیں۔[41] ہانی کے گھر میں جناب مسلم پیغمبر ﷺ کی اس حدیث کو یاد کرتے ہیں جس میں آپ نے دھوکہ دہی اور فریب کاری سے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اپنی کمین گاہ سے باہر نہیں نکلتے ہے اور ابن زیاد باآسانی ہانی کے گھر سے بچ کر چلا جاتا ہے،[42] زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا بھائی کے

39۔ معالی السبطین، ج ۲، ص ۴۰۲

40۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۱

41۔ ارشاد، ج ۲، ص ۹۶

42۔ وقعۃ الطف، ص ۱۱۳

حکم پر عمل کرتے ہوئے ساری مصیبتوں کو برداشت کر جاتی ہیں لیکن گریبان چاک نہیں کرتیں [43] اس طرح کے کئی ایک واقعات کربلا میں امام اور ان کے اصحاب باوفا کے "جہاد بالنفس" کو اجاگر کرنے کے لئے کافی ہیں۔

کربلا نے سکھایا ہے کہ ظلم سے لڑنے کے لئے میدان میں اترنے والوں کی نیت خالص ہونی چاہیے۔ نفسانی خواہشات، قدرت، شہرت، اقتدار، دنیاوی روابط اور اس کی محبت سے یہ کوسوں دور ہوں تاکہ پوری استقامت اور ثابت قدمی سے لڑ سکیں دوسری صورت میں ممکن ہے کہ ان کے قدم لڑکھڑا جائیں، میدان سے بھاگ کھڑے ہوں اور نفس امارہ کے دام فریب میں اسیر ہو جائیں۔

امام حسینؑ جانتے تھے کہ صالح رہنما کو چاہئے کہ دیگر خصوصیات کے ساتھ دین حق کا پابند ہو اور نیز یہ کہ اپنے کو خدا اور اس کی راہ کے لئے وقف کردے۔(..... الدائن بدين الحق و الحابس نفسه على ذات الله)[44]

امام امت آیت اللہ الخمینیؒ نے فرمایا ہے: "خود کو سنوارو تاکہ ظلم کے خلاف قیام کر سکو [45] خود کو بنانے سنوارنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے احکام کی پیروی کرو..... جب تلک اپنے نفس، اپنی ذات اور خواہشات کے اسیر رہو گے نہ جہاد فی سبیل اللہ کر پاؤ گے اور نہ ہی حریم خدا کا دفاع۔ [46]

ہم نے تاریخ انقلاب، عوامی جدوجہد اور دفاع مقدس کے زمانے میں اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ اس تحریک میں شمولیت اور محاذ جنگ پر جانے کی توفیق انہیں لوگوں کو نصیب ہوئی جو قبل از میدان جہاد بالنفس کے شہسوار تھے۔

---

[43] ۔ھمان، ص ۲۰۰

[44] ۔ارشاد شیخ مفید، ج ۲، ص ۳۹

[45] ۔کلمات قصار، امام خمینیؒ، ص ۶۶

[46] ۔ایضاً، ص ۷۵

جملہ شہدائے کربلا اپنے نفس سے جنگ کرنے والے مجاہد تھے اور یہی اُن کا قیامت تک ہر آنے والے کے لئے پیغام جاوداں ہے۔

شجاعت

شجاعت کا مطلب یہ ہے کہ مصائب و آلام سے ٹکراتے وقت انسان کا دل محکم رہے [47] اس لفظ کا بیشتر استعمال جنگ و جہاد جیسے مسائل میں کیا جاتا ہے کہ انسان مد مقابل سے بالکل نڈر ہو کر ٹکرائے۔ یہ قلبی طاقت، عزم اور روحانی قوت اس بات کا باعث بنتی ہے کہ انسان نہ تو ظالموں کے مقابل حق بات کہنے سے گھبراتا ہے اور نہ ہی ان سے جنگ اور مقابلہ کرنے میں خوفزدہ ہوتا ہے۔ جہاں اکثر لوگ ڈر جاتے ہیں وہاں یہ جانبازی اور فداکاری کا مظاہرہ کر کے اپنے تئیں نڈر اور شجاع ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ بہادری یہی ہے کہ خوف وہراس کے سارے اسباب فراہم ہوں مگر اس نازک موڑ پر شکست کھائے بغیر مشکلات پر غالب آ کر بالکل صحیح اور درست فیصلہ کیا جائے۔

میدان جہاد میں تمام زور آزمائیاں شجاعان نبرد کی دلیریوں ہی کی مرہون منت رہی ہیں۔ انہی بہادروں کا عزم و حوصلہ کے ساتھ طاغوت اور ظالم بڑی طاقتوں سے مقابلہ کرنا ان جابروں اور ظالموں کو اس بات کے لیے مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اپنی ناک آپ ہی زمین پر رگڑ کر شکست تسلیم کریں۔ موت سے نہ ڈرنا شجاعت ہی کا ایک حصہ ہے یہی وہ چیز ہے جو امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا کو کربلا کے میدان جنگ میں لے آئی اور وہاں انہوں نے بہادری کا لامثال مظاہرہ کیا۔

47۔ مجمع البحرین، واژہ، (شجع)۔

جب امام مکہ سے کوفہ کی جانب سفر کر رہے تھے راستے میں کچھ لوگوں سے آپ کی ملاقات ہوئی وہ لوگ عراق کے پر آشوب حالات اور وہاں کے لوگوں پر ابن زیاد کے تسلط کا ذکر کر کے امام کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس سفر کے نتائج اچھے نہیں ہیں مگر امام اپنی بے پناہ شجاعت اور موت سے بے خوف ہونے کے باعث اس سفر پر رواں دواں رہے یہاں تک کہ لشکر حر سے سامنا ہو گیا تو آپ نے فرمایا: "لیس شأنی شان من یخاف الموت۔"[48] "میری حالت اس شخص کے جیسی نہیں ہے جو موت سے ڈرتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "میں نہ تو ذلت کے ساتھ ان کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا اور نہ غلاموں کی طرح فرار یا اقرار کروں گا۔"[49] امام حسینؑ اور ان کے خاندان کا مختلف مقامات پر یہ کہنا "أ بالموت تخوفنی۔" (کیا مجھے موت سے ڈرا رہے ہو؟) اس خاندان کے موت سے بے خوف ہونے کی علامت ہے۔

اہل بیت پیغمبر اور بنی ہاشم کی شجاعت کے ہمیشہ سے چرچے تھے امام سجاد علیہ السلام نے بھی یزید کے بھرے دربار میں اپنی ولولہ انگیز تقریر کے ذریعے اُن سات صفات کا ذکر کیا ہے جن میں آپ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے، ان صفات میں سے اپنے تئیں شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "اعطینا العلم و الحلم و السماحۃ و الشجاعۃ...."[50] اس نے (خدا نے) ہمیں علم و حلم، بزرگی اور شجاعت سے نوازا ہے۔

اس سب سے بڑھ کر شجاعت کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے جس کا امام حسین علیہ السلام، ان کے اہل بیت اور اصحاب نے میدان کربلا میں مختلف مواقع پر

48۔ احقاق الحق، ج ۱۱، ص ۶۰۱

49۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۶

50۔ مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۶۹

مظاہرہ کیا ہے فقط اسی شجاعت کا ذکر کیا جائے تو ایک مفصل کتاب تیار ہو جائے گی مثلاً مسلم ابن عقیل نے کوفہ میں دوران جنگ جیسی بہادری دکھائی۔ یا کربلا میں امام کے اصحاب کے شجاعانہ انداز وغا سے سب کے ہوش اُڑ گئے اور کوفی فوج کا ایک افسر چلا کر کہنے لگا: "احمقو! جانتے ہو کن لوگوں سے جنگ کر رہے ہو یہ کچھار سے نکلے ہوئے شیر اور وہ لوگ ہیں جو موت کو گلے لگا لیتے ہیں ان سے مقابلہ کرنے میدان نہ جاؤ نہیں تو مارے جاؤ گے۔"[51] عبد اللہ بن عفیف ازدی کا ابن زیاد کے مقابلہ میں اظہار شجاعت اور پھر آپ کے گھر پر حملہ آور ہونے والے لشکر سے آپ کی لڑائی اور اس طرح کے سینکڑوں بہادری کے نمونے جنہیں امام اور آپ کے اصحاب باوفا کے دشمنوں نے کچھ یوں بیان کیا ہے: "ہم پر وہ لوگ حملہ آور ہوئے جن کے ہاتھ قبضۂ شمشیر پر جمے ہوئے تھے اور بھوکے شیروں کی مانند وہ ہمارے سواروں پر حملہ کرتے تھے اور دائیں بائیں سے گھیر لیتے تھے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے موت کو گلے لگا لیتے تھے۔"[52]

کربلا والوں کی شجاعت کے تار و پود ان کے ایمان و ایقان میں پیوست تھے۔ یہ وہ ہیں کہ جو عشق شہادت میں ڈوب کر جنگ کرتے ہیں ان کے دلوں میں خوف و ہراس نہیں ہوتا تو ظاہر ہے دشمن کے مقابلے میں سستی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دشمن ان سے مقابلہ کرنے میں مستقل پیچھے ہٹتے رہے اور ایک اکیلے ان بہادروں کا سامنا کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی لہٰذا امام کے کسی ایک صحابی پر سب مل کر حملہ کرتے تھے یا پھر دور سے پتھر برساتے تھے۔

واقعات کربلا کے سلسلے میں "حمید ابن مسلم" نامی ایک راوی امام کی قوت قلب کا یوں ذکر کرتا ہے: "خدا کی قسم! مجھے ایسا کبھی نظر نہیں آیا کہ جس

---

[51] ۔ وقعۃ الطف، ص ۲۲۴

[52] ۔ عنصر شجاعت، ج ۱، ص ۲۰

کے دوست، ساتھی اور اولاد سب مارے گئے ہوں اور وہ نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا ہو اور حسین ابن علی کی طرح ثابت قدم، شجاع اور قوی القلب ہو۔ دشمن انہیں گھیرے ہوئے تھے آپ اپنی تلوار سے ان پر حملہ آور ہوتے تھے تو وہ دائیں بائیں جدھر راستہ پاتے تھے بھاگ نکلتے تھے۔ شمر نے جب یہ دیکھا تو اپنے سواروں کو حکم دیا کہ پیادہ لشکر کی مدد کو آگے بڑھیں اور ہر طرف سے امام پر تیروں کی بارش کریں۔" (وَاللّٰہِ مَارَاَیْتُ مَکْثُوراً قَدْ قُتِلَ وُلْدَہُ وَ اَھْلَ بَیْتِہٖ وَ اَصْحَابَہُ اَرْبَطْ جَاْشاً وَلَا اَمْضٰی جَنَاناً مِنْہُ۔)[53]

کربلا سے متعلق مختلف زیارتوں میں سید الشہداءؑ اور آپ کے اصحاب کی شجاعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مثلاً "بطل المسلمین" "فرسان الھیجا" "لیوث الغایات"[54] انہیں مسلمانوں کے ہیرو، جنگ کے شہسوار اور کچھار سے نکلے شیر کہہ کر ان کی مدح وستائش کی گئی ہے۔

کربلا ہمیشہ سے مجاہدین کو الہام شہادت دیتی آئی ہے اس طرح محرم نے ہمیشہ لوگوں کو ظلم سے مقابلہ اور جذبۂ شجاعت بخشا ہے۔ امام خمینی کے لفظوں میں "محرم جو کہ شجاعت، شہامت اور ایثار و فداکاری کا مہینہ ہے شروع ہو چکا ہے وہ مہینہ جس میں خون جیت گیا تلوار ہار گئی، وہ مہینہ جس میں حق کی طاقت نے ہمیشہ کے لئے باطل کو ذلیل کر کے شیطانی طاقتوں اور ظالموں کا چہرہ نوچ دیا، وہ مہینہ جس نے ہر آنے والی نسل کو نوک نیزہ پر چڑھ کر کامیاب ہونے کا سبق سکھایا۔"[55]

کربلا میں شہید ہونے والوں کا کردار و گفتار شجاعت اور بہادری کا مظہر ہے لہٰذا لوگوں کے سامنے خصوصاً جوانوں کے سامنے کربلا کے اس پہلو کو زیادہ

---

[53] ۔ارشاد، شیخ مفید، ج۲، ص۱۱۱

[54] ۔زیارت امام حسینؑ در نیمہ رجب، (مفاتیح الجنان، ص۴۴۱، ۴۴۶)

[55] ۔صحیفہ نور، ج۳، ص۲۲۵

اجاگر کرنا چاہئے تا کہ لوگ شہدائے کربلا کی مظلومیت اور امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر گریہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان باعظمت ہستیوں کی بہادری سے بھی سبق حاصل کریں اسی طرح اگر ہم شریکۃ الحسین حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کا تذکرہ کریں کہ آپ نے کس طرح دلیری اور ہمت سے بھائی کی شہادت، مصائب و آلام اور ہر لحہ پیش آنے والی مشکلات کا سامنا کیا اور شام و کوفہ کے بازار میں ظالموں کیلئے آتش بار خطبے دیے تو اس سے ہماری خواتین بھی ہمت و جرأت کا پیکر بن جائیں گی۔

صبر واستقامت

کسی بھی ہدف تک پہونچنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کسی بھی طرح کے اندرونی یا بیرونی دباؤ کے سامنے بغیر گھٹنے ٹیکے پیش آنے والی مشکلات پر غالب آجائے اور یہ کام صبر واستقامت کے بغیر ناممکن ہے؛ جنگ ہو یا کوئی دوسرا کام صبر کے بغیر نتیجہ تک نہیں پہونچا جاسکتا۔ مصیبتیں اور راستے میں آنے والی رکاوٹیں انسان کے قدم میں لغزش پیدا کرسکتی ہیں اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے دین اسلام نے ہر موڑ پر اسی کی تعلیم دی ہے اور واقعہ کربلا میں بھی جابجا اس طرح کے عظیم معنوی جلوہ کے نمونے ملتے ہیں، وہ چیز جس کی وجہ سے تحریک کربلا جاودانی عروج اور معنوی و حقیقی کامیابیوں سے ہم کنار ہوئی امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کا جذبہ استقامت ہی ہے۔ آپ نے شروع ہی سے انہی لوگوں کو ساتھ آنے کے لئے کہا جو صبر واستقلال کی دولت سے مالامال ہوں چنانچہ راستے میں ایک مقام پر آپ نے فرمایا: "اَيُّهَا النَّاسُ! فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَصْبِرُ عَلَى حَدِّ السَّيْفِ وَ طَعْنِ الْأَسِنَّةِ فَلْيَقُمْ مَعَنَا وَ اِلاَّ

فَلْيَنْصَرِفْ عَنّا).[56] اے لوگو! تم میں سے جو تلوار کی تیز دھار کے وار اور نیزے کے زخم برداشت کرنے کی قوت رکھتا ہو وہی ہمارے ساتھ آئے اور جو اس منزل پر صبر نہ کر سکے وہ واپس چلا جائے۔

باوجود اس کے کہ میدان کارزار میں زخم خوردگی، بھوک پیاس، موت اور اسیری کے ساتھ ساتھ دوسرے سینکڑوں مصائب پائے جاتے ہیں مگر امام نے اپنے ساتھ رہنے کے لئے فقط صبر کو ہی شرط اساسی قرار دیا تاکہ آپ کے صابر اصحاب و انصار آخر تک ساتھ دیں۔

امام کے خطبوں نیز آپ اور دوسرے شہدا کے رجزیہ کلام میں ثابت قدمی کے متعلق تاکید جابجا ملتی ہے آپ نے جنگ میں اپنے ساتھیوں، اپنی بہن زینب (سلام اللہ علیہا) اور وہاں موجود دوسری خواتین کو ہر وقت خصوصاً شہادت کے بعد سب سے زیادہ صبر ہی کی تاکید فرمائی، روز عاشور ایک خطبہ میں آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: (صَبْراً بَنِي الْكِرام! فَمَا الْمَوتُ اِلاّ قَنطَرَةٌ تَعْبُرُ بِكم عَنِ الْبُؤْسِ وَ الضَّرّ اِءِ اِلَى الجَن انِ الْو اسِعَةِ وَ النَّعيمِ الدّائِمَةِ)[57] اے شریف زادو! صبر اور پائداری کا مظاہرہ کرو اس لئے کہ فقط موت ہی ایسی چیز ہے جو تم کو سختی اور رنج سے نجات دے کر بہشت بیکراں اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں تک پہونچا سکتی ہے۔" آپ نے اپنے گھر والوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "دیکھو میرے مرنے کے بعد نہ گریبان چاک کرنا اور نہ ہی چہرہ نوچنا۔"[58]

56۔ ینابیع المودۃ، ص ۴۰۶

57۔ نفس المھموم، ص ۱۳۵

58۔ لھوف، ص ۸۱

جس وقت آپ زمین کربلا پر زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے تو اس وقت بھی آپ کی زبان سے جاری ہونے والے عرفانی کلمات میں بھی قضائے الٰہی پر صبر کی تلقین ہی سنائی دے رہی تھی:

"(صبراً علی حُکمِكَ یامن لاغیاثَ لَهُ)"[68]

جب کچھ لوگوں پر کوئی مصیبت آتی ہے یا ان کا کوئی عزیز ان سے بچھڑ جاتا ہے تو مصیبت کی اس گھڑی میں اپنے کو کنٹرول کرنے، دامن صبر تھامے رہنے اور تقدیر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس کا اجر عظیم ہے اور دوسرے یہ کہ عزیز و اقارب کی شہادت اور ان کے بچھڑ جانے کا غم برداشت کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے علی الخصوص جب غم زدہ کا ایمان اس قدر اعلیٰ درجے کا ہو کہ وہ خدا سے شکوہ و شکایت اور بے صبری کا مظاہرہ کر کے اپنا اجر ضائع نہ کرے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر عبد اللہ ابن جعفر کہ جو مدینہ میں رہ گئے تھے اور آپ کے دو بیٹے امام حسینؑ کی ہم رکابی میں کربلا میں شہادت سے ہم آغوش ہوگئے اس بات پر کچھ لوگ ان کو طعنے دیتے تھے لیکن وہ ایمان کی قوت اور صبر کی طاقت سے دو جوانوں کا غم برداشت کر گئے اور کہا کرتے تھے: "میرے بچوں کی شہادت میرے لئے اس لئے آسان اور قابل برداشت ہے کہ وہ دونوں میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے حسین بن علی کے دوش بدوش شہید ہوئے، وہ دونوں اس حال میں قتل ہوئے کہ وہ امام حسین کو اپنے اوپر مقدم جانتے تھے اور ان کے لئے اپنی جان کی بازی لگا رہے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ میدان میں صبر و استقامت سے ڈٹے رہے۔"[69]

68۔ مقتل الحسینؑ، مقرم، ص ۳۵۷

69۔ یهوّن علیّ المصاب بهما انهما أصیبا مع اخی وابن عمّی مواسین له ، صابرین معه (وقعة الطّف ، ص 274)

شہدائے کربلا اور ان کے لواحقین کا صبر واستقامت ایک اہم مقام اور نیک اور قابل قدر خصوصیت کے طور پر تاریخ کے صفحات پر ثبت ہو گئی ہے۔ مذکورہ شہداء سے متعلق زیارات میں ان کا ذکر ایسے مجاہدین کے طور آیا ہے جنہوں نے صبر واستقامت سے کام لیا۔ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے الفاظ یہ ہیں:

(فَجاهَدَهُم فيكَ صابِراً مُحتَسِباً حَتّى سُفِكَ في طاعَتِكَ دَمُهُ)[70]

حضرت عباس علیہ السلام کے لئے بھی اجر الٰہی کی خواستگاری کا تذکرہ ملتا ہے کیونکہ انہوں نے صبر اور احتساب (یعنی مخلصانہ طور پر صرف خدا کے لیے تمام تر مصیبتوں کو برداشت کرنا) کے لئے گوناگوں سختیاں برداشت کیں۔[71] اس کے علاوہ ہمیں یہ تعبیر بھی دکھائی دیتی ہے:

(فَنِعمَ الصّابِرُ ال مجاهِدُ المحامِي النّاصِرُ...)[72]

ایران کے اسلامی انقلاب نیز جنگ کے دوران بھی اگر لوگ پائداری اور دیگر شہادتوں اور دشواریوں میں صبر واستقامت نہ دکھاتے، اگر انقلاب امت کے امام کامیابی کے راستے طے کرنے میں ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیتے اور اگر اسلامی مجاہدین جنگی محاذوں پر اس قدر نقصانات اور مصائب کو تحمل نہ کرتے تو یہ انقلاب اور جنگ میں کسی بھی قسم کی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔

واقعہ کربلا نے استقامت کی تعلیم دی اور عاشورا کے جیالوں نے صبر و شکیبائی کا درس دیا، شہداء کے گھرانوں نے بھی صبر و تحمل کا سبق جناب زینب کبری سلام اللہ علیہا کے صبر وضبط سے حاصل کیا۔ اس طرح ماں باپ اور اہل خانہ نے اپنے جوانوں کے داغ مفارقت کربلا کے پیشِ نظر برداشت کرلیا۔

70۔ مفاتیح الجنان، زیارت اربعین، ص ۴۶۸

71۔ ایضاً، زیارت حضرت عباسؑ، ص ۴۳۵

72۔ ایضاً، ص ۴۳۶

چٹان سے زیادہ مضبوط ہے۔ پہاڑ کو تیشے کے ذریعے ذرات میں تبدیل کیا جاسکتا ہے، لیکن مومن کے دین سے کوئی چیز چھینی نہیں جاسکتی ہے۔

ایک مومن کی عزت اس بات میں ہے کہ وہ اپنے کسی دوسرے کے مال کو حرص اور لالچ کی نگاہ سے نہ دیکھے، اپنے نفس پر قابو رکھے اور دوسروں کا احسان اپنے سر نہ لے۔ حتی کہ فقہ میں پانی ہوتے ہوئے تیمم کے جائز ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ جہاں کسی سے پانی مانگنا ذلت وخواری کا باعث ہو۔ ایسی صورت میں انسان تیمم کرلے لیکن کسی سے پانی مانگ کر ذلیل نہ ہو۔[76]

بنی امیہ کا خاندان آل محمد ﷺ پر اپنی بیعت کی ذلت کو تھوپنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کو یزید کے سامنے گردن جھکانے اور اس کی اطاعت کے لیے مجبور کیا جائے جو ایک ناممکن کام تھا اور (آل اللہ) نے یہ برداشت نہیں کیا یہاں تک کہ ان کو اس کی قیمت شہادت اور اسیری کی صورت میں چکانا پڑی۔

از آستان همت ما ذلت است دور

(ہماری ہمت کے آستانہ سے ذلت پرے ہے)

واندر کنام غیرت ما نیستش ورود

(اور ہماری غیرت اسے داخلے کی اجازت نہیں دیتی۔)

بر ما گمان بردگی زور برده اند

(انہوں نے ہم پر ظلم وجبر کی غلامی کا گمان کیا ہے)

ای مرگ همتی! که نخواهیم این قیود

(اے موت تھوڑی ہمت کر! کہ ہمیں یہ پابندیاں تسلیم نہیں۔)

76۔ تحریر الوسیلہ، امام خمینی، ج1، ص104 (چاپ دار العلم).

جب مدینے کے حاکم نے امام حسین علیہ السلام سے یزید کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا تو امامؑ نے اسے ایک ذلیل عمل قرار دیتے ہوئے انکار کردیا۔ اور یزید کی برائیاں اور پستیاں گنواتے ہوئے فرمایا: مجھ جیسا شخص، اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کرسکتا! (فَمِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ)[77] ایک اور جگہ یزید کی بیعت ٹھکراتے ہوئے فرماتے ہیں: (لَا أُعْطِيكُمْ بِيَدِي إِعْطَاءَ الذَّلِيلِ)[78]

میں ذلیل لوگوں کی طرح اپنا دست بیعت تمہاری طرف ہرگز نہیں بڑھاؤں گا۔

صبح عاشورا جنگ کی شروعات سے پہلے فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! انہیں مجھ سے جو چیز چاہیے (خود سپردگی)، میں ہرگز قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ میں اپنے خون میں نہا کر خداوند سے ملاقات کروں۔[79]

کربلا میں اپنے ایک اور ولولہ انگیز خطبے میں لشکرِ کوفہ سے مخاطب ہو کر ابن زیاد کی درخواست جو خود سپردگی اور بیعت کے متعلق تھی کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ابن زیاد نے مجھے موت اور ذلت میں سے کوئی ایک چیز چننے کا اختیار دے رکھا ہے، وائے ہو مجھ پر اگر میں ذلت کا انتخاب کروں کہ یہ خداوندِ عالم، اس کے رسول (ص)، عترت کے پاکدامن اور غیرت مند اور باعزت افراد کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ میں کسی طرح بھی کریمانہ شہادت پر پیچ لوگوں کی اطاعت کو ترجیح نہیں دوں گا۔[80]

77۔ مقتل خوارزمی، ۱۸۴

78۔ ارشاد، شیخ مفید، ج۲، ۹۸ (چاپ انتشارات اسلامی)

79۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۴۳۲

80۔ الاوان الدعی بن الدعی (حما، ص ۴۲۳)

چھوڑا۔ یزید کے دربار میں ایک فصیح وبلیغ خطبہ دیا جس میں یہ کہہ کر یزید کو انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا کہ: اے یزید! کیا تمہارا خیال ہے کہ تم ہمیں قیدی بنا کر دیار بہ دیار پھرا کر خوار و زبوں کرلے گا اور اس طرح تو خود اپنی عزت وآبرو کا مالک بن جائے گا؟۔۔۔ خدا کی قسم! نہ تو ہماری یاد دلوں سے محو ہونے والی ہے اور نہ ہماری وحی مٹنے والی ہے۔ اور نہ اس بدنامی کا داغ تمہارے دامن سے دھلنے والا ہے۔۔۔"[87] اس خطبے کے ذریعہ کربلا کی شیر دل خاتون نے یزید اور اس کی حکومت کو یہ باور کرایا کہ وہ اس وقت بدترین اور ذلیل ترین حالت میں زندگی گزار رہے ہیں اور ان کی پیچ حرکتوں اور ظلم و ستم سے اہل بیت علیہم السلام کی شان و شوکت اور عزت وآبرو میں ذرہ بھر بھی کمی واقع ہونے والی نہیں ہے۔

حجاب اور عفت

عورت کی اصلی کرامت کا تعلق اس کے حجاب اور عفت سے ہے۔ حجاب کا تعلق بھی ان دینی احکام سے ہے جو عورت کو باعفت اور پاکدامن بنانے، اسے ہر قسم کی برائی سے بچانے اور معاشرے کو اخلاقی برائیوں سے دور رکھنے کے لئے شریعت کی طرف سے وضع کئے گئے ہیں۔ کربلا کی تحریک کا اصل مقصد دینی اقدار کو زندہ کرنا تھا۔ اس تحریک میں عورت کو بھی معاشرے میں اپنی عفت اور حجاب کی قدر و قیمت معلوم ہوگئی۔ امام حسین علیہ السلام اور زینب کبری سلام اللہ علیہا نیز خانوادۂ رسالت نے اپنے رفتار و گفتار کے ذریعے اسی گوہر تابناک کی تراش خراش کی۔ تمام عورتوں کے لئے زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اور خاندان امام حسین علیہ السلام عفت اور حجاب کا اعلی نمونے ہے۔ کیونکہ ان ہستیوں نے عظیم حماسہ میں

---

[87] ۔ حیاۃ الامام الحسین بن علیؑ، ج۳، ص ۳۸۰

شرکت اور حساس اور عظیم معاشرتی ذمہ داری کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی عفت و پاکیزگی اور حجاب کا بھرپور پاس و لحاظ رکھا اور اس طرح تمام دنیا کے لئے اعلیٰ نمونہ عمل اور آئیڈیل بن گئیں۔

حسین بن علی علیہ السلام نے اپنی بہن زینب سلام اللہ علیہا اور ام کلثوم سلام اللہ علیہا اور اپنی بیٹی جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نصیحت فرمائی کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں، تو اپنا گریبان چاک نہ کرنا، اپنے چہروں کو نہ نوچنا اور نازیبا الفاظ منہ سے نہ نکالنا۔[88] کیونکہ ایسے کام کرنا امام حسین علیہ السلام کے باوقار خاندان کی شان کے خلاف تھے، خاص طور پر ایسے حالات میں کہ جب دشمن کی نگاہیں ان کی تمام حرکات و سکنات پر لگی ہوئی تھیں۔

آخری لمحوں میں جب امام علیہ السلام کی بیٹی کی رونے کی اواز کانوں سے ٹکرائی تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام اور بیٹے حضرت علی اکبر علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا تاکہ انہیں صبر و تحمل کرنے کی نصیحت فرمائیں۔[89]

شہدائے کربلا اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا عفت اور حجاب کے ساتھ آگے بڑھنا اسلام کی پیروکار خواتین کے لیے متانت اور سنجیدگی کا عملی نمونہ تھا۔ امام سجاد علیہ السلام بھی حتی المقدور ان خواتین کے وقار کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے کوفہ میں ابن زیاد سے فرمایا: اگر تم متقی اور پرہیزگار ہو تو کسی مسلمان اور پاکدامن شخص کو ان عورتوں کے ہمراہ روانہ کرو۔[90]

شیخ مفید کے بقول: امام حسین علیہ السلام کے شہید ہو جانے کے بعد جب عمر سعد کا گذر امام الشہداء علیہ السلام کی عورتوں اور بیٹیوں کے قریب سے ہوا،

88۔ موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، ص ۴۰۶

89۔ وقعۃ الطف، ص ۲۰۶

90۔ تاریخ طبری، ج ۴، ص ۳۵۰

فرض کی ادائیگی

ایک مسلمان کے دیندار ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں اور اپنے تمام انفرادی اور اجتماعی کاموں میں اپنی دینی ذمہ داریاں کس حد تک نبھاتا ہے؟ ذمہ داریاں مختلف حالات کے تحت تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ممکن ہے کبھی یہ ذمہ داریاں انسان کے لئے من پسند ہوں اور کبھی ممکن ہے اس کی خواہش کے عین مخالف بھی ہوں۔ ممکن ہے لوگ کبھی ان کو پسند کریں اور ممکن ہے کبھی نہ کریں۔ چونکہ ہر مسلمان خداوند تعالی کے سامنے اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا وعدہ کر چکا ہے اس لئے ان ذمہ داریوں کو صرف خداوند تعالی کی مرضی کے مطابق نبھانا اس کا فرض ہے۔ اور اسے کسی اور چیز کو ذمہ داری پر عمل کرنے پر فوقیت نہیں دینا چاہیے۔ چاہے وہ ظاہری طور پر شکست سے دوچار ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی کامیاب رہتا ہے کیونکہ اس نے اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی نہیں کی۔

جب معاشرے میں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کا احساس تہذیب و ثقافت میں رچ بس جاتا ہے، تو معاشرے کے افراد میں ہمہ وقت کامیابی کا احساس جاگزیں رہتا ہے۔ قرآن کریم کی تعبیر کے مطابق وہ "اِحدَیٰ الحسنیین"[97] { دو میں سے ایک نیکی } تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح چاہے میدان جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جائیں، چاہے فوجی اور سیاسی کامیابی حاصل کر لیں، دونوں صورتوں میں فائدے میں رہتے ہیں۔

ائمہ علیہم السلام مختلف اجتماعی شرائط کے تحت اپنی ذمہ داریاں نبھاتے تھے۔ عاشورا کا واقعہ بھی فرایض کی انجام دہی کا ایک جلوہ تھا اور ذمہ داری کو بھی حالات کے تقاضے اور اصولی شرائط متعیّن کر رہے تھے۔ البتہ ائمہ علیہم السلام کا سفر

[97] ۔توبہ،آیہ ۵۲

وحضر، تکلم وسکوت، قیام وقعود دین کی حدود اربعہ اور قرآنی معیارات کے تحت اسی ذمہ داری کے تابع تھا۔

اگرچہ امام حسین علیہ السلام امام برحق تھے اور رہبری کو اپنا حق سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود اہل بصرہ کے نام اپنے خط میں فرماتے ہیں: ہماری قوم نے حکومت کا انتخاب اپنے لئے کرلیا اور چونکہ ہم امت کے درمیان تفرقہ کو گوارا نہیں کرسکتے اس لئے ہم نے ان کی بات مان لی۔ حالانکہ ہم پیغمبر ﷺ کے خاندان والے یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ خلافت اور رہبری کے لئے ہم ان لوگوں سے زیادہ موزوں ہیں، جو اس وقت یہ عہدہ سنبھالے ہوئے ہیں۔[98]

وہی حسین ابن علیؑ جنہوں نے یزید کی حکومت کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہ کیا، دس سال تک معاویہ کی حکومت میں زندگی بسر کرتے رہے اور اس کے خلاف قیام نہیں کیا، کیونکہ ہر دو ادوار میں امام علیہ السلام کی ذمہ داری کی نوعیت مختلف تھی۔ دین کے احکام کی پیروی کرنا ایک مسلمان کے لئے نہایت ہی مقدس اور قابل احترام ہے۔ جن دنوں مسلم بن عقیل کوفہ میں جناب ہانی کے گھر میں روپوش تھے۔ ایک دن ابن زیاد جناب ہانی کی عیادت کے بہانے ان کے گھر آیا۔ انہوں نے ابن زیاد کے قتل کا منصوبہ بنا رکھا تھا لیکن مسلم بن عقیل نے اس منصوبہ پر عمل نہیں کیا اور اپنی خلوت گاہ سے باہر نہ نکلے اور یوں ابن زیاد وہاں سے صحیح سلامت واپس لوٹ گیا۔ جب ابن زیاد کو قتل نہ کرنے کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: اس کی دو وجوہات تھیں: پہلی بات یہ کہ ہانی کو یہ پسند نہیں تھا کہ ان کے گھر میں قتل انجام پائے، دوسری بات یہ تھی کہ مجھے پیغمبر ﷺ کی ایک حدیث یاد آگئی جس آپ میں فرماتے ہیں: ایمان قتل وغارتگری سے روکتا ہے۔[99]

---

[98] ـ وقعۃ الطف، ص ۱۰۷

[99] ـ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۷۱

جس وقت امام حسین علیہ السلام مکہ سے کوفہ کی طرف سفر کے ارادے سے نکل رہے تھے تو بشمول ابن عباس بہت سے صحابی انہیں نصیحت کر رہے تھے کہ عراق کی طرف جانا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن امام علیہ السلام نے ابن عباس کی نصیحت کے جواب میں فرمایا: اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تم یہ بات خیر خواہی اور شفقت کی وجہ سے کر رہے ہو، لیکن میں فیصلہ کر چکا ہوں۔[100] صفاح کے علاقے میں بھی فرزدق سے اپنی ملاقات اور کوفہ کے غیر اطمینان بخش حالات سے آگاہی کے بعد امام علیہ السلام اس سے فرماتے ہیں:

اگر خداوند تعالی کی قضا میری مرضی کے عین مطابق ہو، تو میں اس کے لئے خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کروں گا اور شکر کی ادائیگی کے لئے اس کی امداد کا طلبگار ہوں گا۔ اور اگر خدا کی قضا ہماری مرضی کے خلاف ہو تو جان لو کہ اس شخص نے حق سے تجاوز نہیں کیا جس کی نیت صاف اور باطن پاکیزہ ہو۔ امام علیہ السلام نے یہ فرمایا اور چل دیے۔[101]

ان تمام باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امامؑ نے اپنے آپ کو ذمہ داری ادا کرنے کے لیے آمادہ کر رکھا تھا۔ اب نتیجہ جو بھی ہو، وہ اس پر راضی تھے۔ جب مکہ کے حاکم کی طرف سے دو افراد امام علیہ السلام کے لیے امان نامہ لے کر آئے تا کہ اس طرح انہیں ان کے سفر سے روک سکیں، تو امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔ مجھے ایک ایسی چیز کا حکم دیا گیا ہے جس کے لئے میں ضرور جاؤں گا۔ اب چاہے میرے فائدے میں ہو، یا نقصان میں۔۔۔

اُمِرتُ فیها بِاَمرٍ اَنا ماضٍ لَهُ، عَلَيَّ کانَ اَو لی[102]

---

[100] ۔ایضاً، ص ۲۸۸

[101] ۔ایضاً، ص ۲۹۰

[102] ۔ایضاً، ص ۲۹۲

یہ سب فرائض کامیابی کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کے احساس کے سوا کچھ نہیں ہے۔امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

(اَرْجُو اَنْ یَکُونَ خَیْراً ما اَرادَاللّٰہُ بِنا، قُتِلْنا اَمْ ظَفِرْنا)[103]

مجھے امید ہے کہ خداوند تعالی نے ہمارے لئے جس چیز کا ارادہ کرر کھا ہے، اس میں (ہمارے لئے) خیر ہوگا، اب چاہے ہم قتل کر دیئے جائیں، یا (زندہ رہ کر) کامیاب ہوں۔

امام امت اسی تہذیب وثقافت کی رو سے فرماتے ہیں:

وہ قوم جس کے لئے شہادت، سعادت کا درجہ رکھتی ہے، ہمیشہ کامیاب ہے۔ ہم دونوں حالتوں میں کامیاب ہیں۔ چاہے کسی (دشمن) کے ہاتھوں مارے جائیں۔ یا اُسے (دشمن) کو مار دیں۔[104]

جب کوفہ والوں کی طرف سے مسلسل امام حسین علیہ السلام کے پاس پے در پے خطوط آنے لگے جن میں امام علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دی جارہی تھی اور حمایت اور نصرت کا یقین دلایا جارہا تھا۔ امام علیہ السلام نے ذمہ داری کا احساس کیا کہ انہیں جانا چاہیے۔ اگرچہ جانتے تھے کہ اہل کوفہ کا ضمیر کس خمیر سے گوندھا گیا ہے۔ لیکن وہ تمام دعوت نامے اور حمایت کی یقین دہانیاں امام علیہ السلام کے لئے ایک ذمہ داری کی فضا قائم کررہی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حر کے سپاہیوں نے پہلی بار امام علیہ السلام کا راستہ روکا، تو آپ نے ان سے اپنے خطبے میں فرمایا:

میرا یہاں آنا صرف خداوند تعالی اور تمہارے لئے تھا۔ میں خود سے تمہاری طرف نہیں آیا ہوں بلکہ تمہارے خطوط اور قاصد مجھے ملے جو کہتے تھے کہ:

---

[103] ۔اعیان الشیعہ، ج۱، ص ۵۹۷

[104] ۔صحیفہ نور، ج۱۳، ص ۶۵

ہمارے پاس آجایئے کہ ہمارا کوئی رہنما اور پیشوا نہیں ہے۔۔۔ اگر تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے، تو لو میں آگیا ہوں اور اگر تمہیں میرا یہاں آنا پسند نہیں ہے اور نہیں چاہتے ہو تو میں واپس لوٹ جاتا ہوں۔[105]

اس امر سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام اپنی ذمہ داری پر عمل کر رہے تھے۔ آپ کے ساتھی بھی ایسے ہی قسم کے لوگ تھے جو اپنی الٰہی فریضہ نبھاتے ہوئے اور اس کی راہ میں لڑتے ہوئے شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔ جب امام علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو جانا چاہتا ہے، چلا جائے، تو ان کا جواب یہ تھا: خدا کی قسم! ہم کسی حالت میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور اپنی جانیں آپ پر قربان کردیں گے اور اپنے لہو کے آخری قطرے تک آپ کی حمایت کریں گے۔ اگر قتل بھی کردیئے جائیں تو اس صورت میں ہم نے آپ کے ساتھ اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور اپنی ذمہ داری ادا کی:

(فَاِذا نَحنُ قُتِلْنا وَفَيْنا وقَضَيْنا ما عَلَينا)[106]

موجودہ دور کی تاریخ میں اسلامی انقلاب کے بانی امام خمینی قدس سرہ نے بھی طاغوتی طاقتوں کے خلاف اپنے قیام کا آغاز خداوند تعالی کی عائد کردہ ذمہ داری سے کیا اور انقلاب کے تمام مراحل میں اپنی ذمہ داری کے علاوہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لایا۔ اب سکوت ہو یا گفتار؛ قید و بند کی صعوبتیں ہوں یا جلاوطنی، دینی علوم کی تعلیم و ترویج ہو یا کتابوں کی تصنیف و تالیف، جنگ ہو یا صلح نامہ کی قبولیت کرنا سب کا تعلق اسی ذمہ داری پر عمل کرنے سے تھا۔ اسی لئے امام خمینی قدس سرہ کسی مرحلے پر کمزور اور مایوس نہیں ہوئے اور اپنے ہدف سے پیچھے نہیں ہٹے۔ پیش آمدہ حالت پر لمحہ بھر کیلئے بھی پشیمان نہیں ہوئے۔ امام خمینی کی نظر میں عاشورا کی تحریک

---

[105] ۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۰۳

[106] ۔ ایضاً، ص ۳۱۸

کا نچوڑ وظیفے کی انجام دہی تھا۔ ان کے سارے جنگی اقدامات کی بنیاد اسی عقیدے پر استوار تھی۔ مثال کے طور پر ان کے درج ذیل جملے پیش کئے جا سکتے ہیں:

"اگر سید الشہداء علیہ السلام نے ایک مختصر جماعت کو لے کر قیام کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے فرمایا: میرا فریضہ یہ ہے کہ میں نہی از منکر کروں۔"[107]

"حضرت سید الشہداء علیہ السلام (عراق) جانے اور قتل ہونے کو اپنا فرض سمجھتے تھے تا کہ معاویہ اور اس کے بیٹے کے آثار مٹا سکیں۔"[108]

"امام علیہ السلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ وہ قیام کریں اور اس راہ میں اپنا خون بہائیں تا کہ اس طرح اپنی ملت کو سیدھے راستے پر لا سکیں اور یزید کے پرچم کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں کریں۔"[109]

"وہ پوری طرح آگاہ تھے کہ خدا کی طرف سے عائد شدہ ذمہ داری نبھانے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے آئے ہیں کہ اسلام کی حفاظت کر سکیں۔"[110]

"ہم سید الشہداء علیہ السلام سے بڑھ کر تو نہیں ہیں، انہوں نے اپنی ذمہ داری نبھائی اور اس راہ میں شہید بھی ہوئے۔"[111]

"وہ وقت ایسا تھا کہ جب اسلام کا چہرہ مخدوش ہو رہا تھا۔۔۔ پس ذمہ داری کا تقاضا یہ تھا کہ بزرگان اسلام جنگ کے لئے قیام کریں۔"[112]

107۔ صحیفہ نور، ج ۴، ص ۱۶

108۔ ایضاً، ج ۸، ص ۱۲

109۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۰۸

110۔ ایضاً، ج ۱۵، ص ۵۵

111۔ ایضاً، ج ۶، ص ۳۶

112۔ ایضاً، ج ۷، ص ۳۱

عاشورا کا واقعہ تمام افراد خاص طور پر ان لوگوں کو اپنی ذمہ داریاں پہچاننے اور انہیں نبھانے کا پیغام دیتا ہے جو معاشرے میں ایک خاص اہمیت کے حامل ہیں اور دوسروں کے لئے آئیڈیل اور رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر امام حسین علیہ السلام کے زمانے میں حق کے تمام پیروکار اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اسے اچھی طرح نبھاتے اور کربلا کے شہداء کی طرح امام علیہ السلام کی حمایت کے لئے جانبازی کا ثبوت دیتے تو کربلا، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

آج بھی ہمیں اپنی ذمہ داریوں کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنا اور ان کو انجام دینا ہوگا اور یہ بات مان لینی ہوگی کہ کامیابی کا دارومدار صرف فرائض کی ادائیگی پر ہے۔

امام امت نے بارہا فرمایا ہے:

"ہم اپنی ذمہ داریاں اور فرائض نبھانے پر مامور ہیں، ان کے نتائج پر نہیں۔" [113]

یہ دراصل عاشورا سے ہی حاصل شدہ پیغام ہے۔

امام امت (امام خمینی) نے ۵۹۸ {ایران و عراق کا جنگ بندی کا معاہدہ} کے معاہدے پر الہی فریضہ ہی سمجھ کر دستخط کیے اور فرمایا:

"میں تم لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں اور تم بھی مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ موجودہ حالات میں جو چیز اس معاہدے کا باعث بنی، وہ مجھ پر خدا کی عائد کردہ ذمہ داری تھی۔ تم جانتے ہو کہ میں نے تم سے عہد کر رکھا تھا کہ اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑوں گا۔ لیکن آج میں نے جو فیصلہ لیا ہے، وہ صرف ایک خاص مصلحت کے تحت لیا ہے۔ میں صرف اس (خدا) کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنے

---

[113]۔ کلمات قصار، ص ۵۰۔

تمام فیصلوں سے پھرا ہوں اور اس راہ میں خدا کے ساتھ اپنی آبرو کا سودا کرلیا ہے۔"[114]

غیرت

پسندیدہ خصلتوں میں سے ایک خصلت غیرت ہے۔ غیرت کے لغوی معنی یہ ہیں کہ انسان کی سرشت کسی ایسی چیز جو اس کی ذاتی پسند ہو، اس میں کسی دوسرے کی شراکت سے نفرت کرتی ہو۔[115]

اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کوئی انسان اپنی بیوی، بیٹی یا کسی ایسے فرد جسے وہ پسند کرتا ہو، کی حفاظت کا ایسا اہتمام کرے کہ کوئی بھی دوسرا شخص اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکے۔ ایک غیرت مند انسان کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتا کہ غیر افراد اس کی بیوی، یا عزیز و اقارب کی جانب ناپاک نگاہوں سے دیکھیں اور ان سے غلط ارادہ رکھیں۔ غیرت ایک پسندیدہ عمل ہے۔ کبھی انسان کی دینی غیرت اس بات کا باعث بن جاتی ہے کہ وہ غیروں کو اپنے دینی تقدس اور اعتقادات پر حملے اور ان سے غلط استفادے سے روکنے کے لئے رد عمل دکھائے اور ناپاک عزائم کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے: غیرت، ایمان کا حصہ ہے:

(اَلْغیرَۃُ مِنَ الْاِیمانِ)[116]

114۔ صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۲۴۱

115۔ مجمع البحرین، کلمہ (غیر)

116۔ من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳، ص ۴۴۴

غیرت انسان کی شخصیت کی اہم ترین علامت ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: انسان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کی ہمت سے ہوتا ہے، اس کی سچائی کا اندازہ اس کی جوانمردی سے، اس کی بہادری کا اندازہ اس کی پاکدامنی سے اور اس عفت کا اندازہ اس کی غیرت سے ہوتا ہے:

(...وعفته علی قدر غیرته)[117]

خداوند تعالی بھی اپنے غیر تمند بندوں کو دوست رکھتا ہے:

(انَّ اللّٰهَ یحِبُّ مِنْ عِبادِهِ الغَیُور)[118]

بنی ہاشم اپنے زمانے کے غیر تمند ترین افراد تھے اور پیغمبر (ص) کی عترت کے لئے انتہائی حرمت کے قائل تھے۔ بنی ہاشم کے جوان کربلا کے سفر میں بھی ہر جگہ امام حسین علیہ السلام کے اہل بیت علیہم السلام کی حفاظت کرتے رہے۔ راتوں کو بھی ان جوانوں خصوصاً قمر بنی ہاشم کی حفاظت کی وجہ سے مخدرات خاندانِ چین کی نیند سوتی تھیں۔ عاشورا کے دن اپنی رجز خوانی میں حسین بن علی علیہ السلام من جملہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل اور اپنے والد کے خاندان کی حمایت پر کچھ یوں تاکید فرمارہے تھے:

(أحمی عِیالاتِ أبی، أمْضی عَلی دینِ النَّبی)[119]

انہوں نے عاشورا کے دن اپنے خاندان کی عورتوں، بیٹیوں اور بہن کو وصیت کی کہ ان کی شہادت کے بعد اپنے گریبان چاک نہ کریں، چہروں پر خراشیں نہ لگائیں اور آہ و زاری نہ کریں تاکہ دشمن ان کے رونے کی آواز نہ سن سکیں۔ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں جب امام علیہ السلام زخموں سے چور گھوڑے کی پشت سے زمین پر آرہے اور جب یہ خبر ان کے کانوں سے ٹکرائی کہ دشمن خیموں پر حملہ

117۔ نہج البلاغہ، صبحی صالح، حکمت ۴۷

118۔ میزان الحکمہ، ج ۷، ص ۳۵۷

119۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۹

کرنا چاہتا ہے اور خیموں میں عورتوں اور بچوں پر حملہ کا ارادہ رکھتا ہے، تو امامؑ کی فریاد بلند ہوئی:

(اِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ دِینٌ وَ کُنْتُمْ لَاتَخَافُونَ الْمَعَادَ فَکُونُوا اَحْرَاراً فِی دُنْیَاکُمْ...)[120]

اے آلِ ابو سفیان! اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور قیامت کا تمہیں کوئی خوف نہیں ہے تو کم سے کم اپنی دنیا میں آزادانہ طور پر زندگی گزارو! اگر عرب ہو تو اپنے قبیلے کی سرگزشت کا پاس و لحاظ تو رکھو... جنگ میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ پس میرے حرم (عورتوں) کے ساتھ زیادتی نہ کرنا، جب تک میں زندہ ہوں، اپنے غارتگروں کو میرے حرم سے دور رکھنا:

(فَامْنَعُوا عُتَاتَکُم عَنِ التَّعَرُّضِ لِحَرَمِی مَا دُمْتُ حَیّاً)[121]

یہ امام کی غیرت ہی تھی کہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی دشمن کے سپاہیوں کی پیچ حرکت پر اعتراض فرمایا اور جب تک زندہ رہے، ان سے یہ برداشت نہ ہو سکا کہ بے دین اور بے غیرت افراد ان کے اہلِ حرم کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھیں۔ امام علیہ السلام اور ان کے دوستوں کی دینی غیرت نے کربلا کے عظیم واقعے میں اپنا اہم کردار ادا کیا۔ امام علیہ السلام نے ذلت اور ننگ و عار پر موت کو ترجیح دی، جوان کی غیرت کی ایک اور زندہ مثال ہے۔ امام علیہ السلام کے ساتھیوں نے بھی عاشورا کی رات یا دیگر موقعوں پر اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت فراہم کیا کیونکہ ان کی غیرت نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ امام علیہ السلام اور ان کے خانوادے کو کربلا کے صحرا میں دشمنوں کے نرغہ میں اکیلا چھوڑ دیں اور خود اپنی جان بچانے اور عافیت سے زندگی گزارنے کی سوچیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے دشمن کی طرف

---

120 ۔ ایضاً، ص ۵۱

121 ۔ ایضاً، وقعۃ الطف، ص ۲۵۲، میں اس طرح نقل ہوا ہے: (اِمْنَعُوا رَحْلی واٴھلی مِن طُغاتِکُم وجُھّالِکُم).

سے ملنے والے امان نامے کو ٹھکرا دیا اور دشمن کی تلواروں اور تیروں کو ذلت و خواری پر ترجیح دی۔

اس کے برعکس بعض پنج اور پست افراد طاغوت یزید اور کوفہ کے حاکم کی خوشنودی کے لیے اکھٹے ہوئے اور عاشورائیوں کو شہید کر کے ان کے خاندان والوں کو قیدی بنایا۔

کوفہ میں عبداللہ عفیف ازدی کا ابن زیاد کے خلاف قیام اور امام حسین علیہ السلام کے خانوادے اور عترت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدی بنانے پر اس کا اعتراض کرنا در اصل اس کی غیرت کا اثر تھا۔ اسی طرح شام کے دربار میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کا یزید پر یہ اعتراض کرنا کہ اس نے کیوں اہل بیت علیہم السلام کو بازاروں میں پھرایا اور لوگوں کے تماشے کا سامان بہم پہنچایا،[122] یہ اعتراض بھی جناب زینب سلام اللہ علیہا کی غیرت کی غمازی کرتا ہے۔

عاشورا کے پیروکار جہاں کربلا سے غیرت و ناموس کے عنوان کے تحت پاکدامنی اور پردہ داری کا سبق حاصل کر سکتے ہیں، وہیں کربلا کی تاریخ رقم کرنے والے سپوتوں سے دینی غیرت کے عنوان سے مظلوم کا بچاؤ، حق کی سربلندی اور باطل سے جنگ جیسی چیزوں کو بھی اخذ کر سکتے ہیں۔

مردانگی اور بلند ہمتی

مردانگی اور بلند ہمتی کا شمار ان بیش قیمتی خصلتوں میں ہوتا ہے جو انسان کو انسانی اصولوں، شرافت، عہد و پیمان اور بے بس اور لاچار لوگوں کی امداد کا سبق

---

[122] ۔ حیاۃ الامام الحسین، ج ۳، ص ۳۷۸

سکھاتی ہیں۔ وہ انسان جو حق کا علمبردار رہے، مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت کرے، خیانت اور چالبازی سے دور رہے، ظلم و ستم کے سامنے گھٹنے نہ ٹیک دیے اور ہمیشہ عفو و درگذر سے کام لے بلند ہمت اور جوانمرد کہلاتا ہے۔ عربی لغت میں "جوانمرد" کے لئے "فتی" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ "فتوت" کا مطلب مردانگی اور جوانمردی ہے۔ پرانے زمانے میں لفظ "فتوت" عیاری کے معنی میں استعمال ہوتا تھا جو اس کا معاشرتی پہلو تھا۔ اس زمانے میں "فتوت" ایک ایسے گروہ کو کہا جاتا تھا جو ہمیشہ خنجر اور دوسرے اسلحہ سے لیس رہا کرتا تھا اور لوگوں سے ان کا مال چھینتا تھا۔ اس گروہ کے افراد ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ سفر کرتے تھے۔ لیکن (ان تمام غیر اخلاقی کاموں کے باوجود) اپنی مردانگی اور بلند ہمتی کا پاس رکھتے تھے۔ کبھی کبھار کسی شہر کے ایک خاص حصے یا علاقے کی حفاظت کی ذمہ داری کا عہدہ سنبھال لیا کرتے تھے۔ اپنے علاقے کے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے؛ ان پر زیادتی نہیں کرتے تھے؛ ان کی امانتوں میں خیانت نہیں کرتے تھے اور بعض صفات جیسے بخشش، آزادگی، بہادری، مہمان نوازی، بزرگواری اور وعدہ برآوری میں مشہور تھے۔[123] ان لوگوں نے اپنے لئے ایک خاص قسم کے آداب و رسوم پر مبنی تہذیب تشکیل دے رکھی تھی۔[124]

دینی تہذیب میں "فتوت" کا مطلب ایک طرح کی بخشش، دوسروں کے ساتھ اچھائی، ان کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آنا، عصمت و عفت اور اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھنا، دوسروں کو تکالیف نہ پہنچانا اور ہر قسم کی برائی اور پستی سے دور رہنا ہے۔[125] حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[123] ۔ لغت نامہ، دہخدا، واژہ فتوت

[124] ۔ (فتوت نامہ) از ملا حسین واعظ کاشفی

[125] ۔ میزان الحکمہ، ج۷، ص۳۹۸

"فتوت اور جوانمردی کا نظام دراصل اپنے بھائیوں کی لغزشوں کو تحمل کرنا اور ہمسایوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔"[126]

قرآن کریم نے دقیانوس کے دور میں اس کے ظلم اور شرک سے تنگ آکر ایک غار میں پناہ لینے والے یکتا پرست جوانوں (اصحاب کہف) کی "فتیہ" (جوانمردوں) سے تفسیر فرمائی ہے۔

امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں نے کربلا کے واقعہ میں ہر مرحلے پر (چاہے وہ حق کی حمایت ہو، امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں لڑتے ہوئے جام شہادت کے رتبے پر فائز ہونا ہو یا دوسروں کے ساتھ حتیٰ کہ دشمنوں کے ساتھ انسانی برتاؤ ہو) اعلیٰ ترین جوانمردی کا ثبوت دیا۔ اباعبداللہ حسین علیہ السلام خود بھی اعلیٰ ترین جوانمردی کے مظہر تھے۔ وہ اپنے ان ساتھیوں اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوانمردوں کو جو کربلا کے میدان میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، اسی عنوان سے یاد کرتے تھے۔[127] اور خون میں نہلا کر موت کی آغوش میں سونے والے عزیزوں کی شہادت کے بعد دل گرفتگی کا احساس کرتے ہیں۔ تاریخ کے مطابق، یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک نے نیزے کی نوک پر سورہ کہف کی تلاوت فرمائی اور ان باایمان جوانوں کو "فتیہ" یعنی سورما کہہ کر یاد کیا۔[128]

مسلم بن عقیل کوفہ میں جناب ہانی کے گھر میں روپوش تھے۔ ایک دن ابن زیاد ہانی کی عیادت کے بہانے ان کے گھر آیا۔ منصوبہ کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ جناب مسلم ابن زیاد پر حملہ کریں گے اور اس کا کام تمام کر دیں گے لیکن حضرت مسلم بن عقیل نے اس منصوبے کے مطابق ابن زیادہ کو خفیہ طور ٹھکانے لگانا جواں

---

[126]۔ نظام الفتوة احتمال عثرات الاخوان وحسن تعهد الجيران (غرر الحکم)۔

[127]۔ ثم انی قد سئمتُ الحيوة بعد قتل الاحبة وقتل هولاء الفتية من آل محمد (موسوعة کلمات الامام الحسین، ص482)۔

[128]۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج۴، ص۶۱ (آیہ ۱۳ کہف)

مردی کے برخلاف جانااور اپنی کمین گاہ سے باہر نہیں نکلے کیونکہ اپنی دینداری کو اس طرح کے خفیہ حملہ کے لیے رکاوٹ سمجھا۔[129]

جناب ہانی بھی اپنی جگہ پر جوانمرد تھے۔ جب انہیں جناب مسلم بن عقیل علیہ السلام کو اپنے گھر میں پناہ دینے کے الزام میں گرفتار کر کے دارالامارہ لے جایا گیا اور ابن زیاد نے ان سے مسلم کو اس کے حوالے کرنے کو کہا تو جناب ہانی نے اسے نامردی خیال کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم میں انہیں ہرگز تیرے حوالے نہ کروں گا۔ کیا میں اپنے مہمان کو لاکر تیرے حوالے کردوں کہ تو اسے قتل کرڈالے؟ خدا کی قسم! اگر میں یک و تنہا بھی رہ جاؤں تب بھی انھیں تیرے حوالے نہیں کروں گا یہاں تک کہ ان کی راہ میں قتل کردیا جاؤں!"[130]

کوفہ کے سفر کے دوران جب امام حسین علیہ السلام کے کاروان اور حر کی فوج کا آمنا سامنا ہوا اور حر کی فوج نے کاروان حسینی پر راستہ بند کردیا تو زہیر بن قین نے امام حسین علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے ہم تہس نہس کرسکتے ہیں کیونکہ یہ جنگ اس جنگ سے آسان ہے جو ہم بعد میں آنے والے لشکر کے خلاف لڑنے والے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

"(ما كُنْتُ لِاَبْدَاءَهُمْ بِالْقِتَالِ)[131]

میں جنگ کی ابتداء نہیں کروں گا۔"

129۔ مقتل الحسین، مقرم، ص ۱۷۵

130۔ وقعۃ الطف، ص ۱۱۹

131۔ ارشاد، شیخ مفید، ج ۲، ص ۸۲

اس جملے سے بھی امام حسین علیہ السلام کی مردانگی کا ایک گوشہ واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ دوسرا منظر حر کے پیاسے لشکر کو پانی پلانا تھا۔ سید الشہداء علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہزار افراد پر مشتمل اس فوج کو حتی کہ ان کے گھوڑوں کو بھی سیراب کیا جائے۔ ان کا ایک شخص جو دیر سے پہنچا اور دوسرے تمام افراد کی نسبت پیاس سے بہت زیادہ بدحال تھا، اسے اور اس کے گھوڑے کو خود امام علیہ السلام نے سیراب کیا۔[132] عاشورا کے دن جب اسی حر نے یہ فیصلہ کیا کہ امام علیہ السلام کے لشکر سے جا ملے تو توبہ کرتے ہوئے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسے امید نہیں تھی کہ امام علیہ السلام اس کے پچھلے گناہ معاف کردیں گے، لیکن یہاں بھی امام علیہ السلام کی جوانمردی نے اسے قبول کرلیا اور اس کی توبہ قبول ہوگئی۔[133]

حضرت ابوالفضل عباس علیہ السلام کی جوانمردی اور وفاداری نے بھی نہر علقمہ پر اپنا جلوہ دکھایا جس وقت آپ پیاس کی حالت میں فرات کے کنارے پہنچے چاہا کہ پانی پی لیں لیکن اپنے بھائی اور خیموں میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی پیاس کو یاد کرکے پانی نہیں پیا اور تشنہ لب، لب فرات سے واپس آگئے۔[134]

امام حسین علیہ السلام کی زندگی، جنگ اور شہادت میں ہر جگہ ان کی مردانگی، کرامت اور بزرگواری کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ امامؑ کے زیارت نامے میں بھی آیا ہے: کریموں کی طرح لڑے اور مظلوموں کی طرح شہید ہوئے۔[135]

امام علیہ السلام کے تمام ساتھیوں نے بھی حجت خدا اور دین الہی کا آخری دم تک دفاع کیا، اپنے امام علیہ السلام کو پیٹھ نہیں دکھائی اور اپنے کیے ہوئے وعدہ کو

---

[132] ۔ حیاۃ الامام الحسین، ج ۳، ص ۴۷

[133] ۔ اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۶۰۳

[134] ۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۴۷۲

[135] ۔ فقد قتل کریما وقتل مظلوما (مفاتیح الجنان ، اعمال حرم مطہر امام الحسین ، عمل چہارم).

پورا کر کے ہی دم لیا، یہ سب کے سب ایسے جوانمرد تھے جنہوں نے مردانگی کا درس مکتب اہل بیت علیہم السلام میں حاصل کیا تھا۔

جب شمر حضرت عباس علیہ السلام کے لئے امان نامہ لے کر آیا تو عباس علیہ السلام نے اس کا امان نامہ ٹھکرا دیا، ان پر لعنت بھیجی اور فرمایا: تم ہمارے لئے امان نامہ لاتے ہو جب کہ تم جانتے ہو کہ فرزند پیغمبر ﷺ (امام حسین علیہ السلام) کے لئے امن و امان کی یقین دہانی نہیں کرائی گئی ہے؟[136]

عاشورائیوں نے انسانی اصولوں کی پابندی کی، مظلوموں کی طرفداری کا اعلان کیا، ظلم و ستم کے سامنے خاموش نہ بیٹھے اور پناہ کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے لوگوں کو پناہ دی اور یوں جوانمردی کی ایسی تاریخ رقم کی جو بعد میں آنے والی تمام نسلوں کے بہادروں اور آزاد منش انسانوں کے تئیں دلیری کا اعلیٰ نمونہ ثابت ہوئے۔

امداد رسانی (مواسات)

معاشرتی خصلتوں میں سے ایک بہترین خصلت "امداد کرنا" ہے یعنی دوسروں کی غمخواری اور مدد کرنے کا جذبہ۔ "مواسات" لفظ "اسوہ" سے مشتق ہے یعنی اپنے مال و جان کے معاملے میں دوسروں کو بھی اپنے جیسا ہی خیال کرنا یا دوسرے کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم جاننا، اپنے دوستوں اور دینی بھائیوں کی مالی اور جانی امداد کرنا، اپنے اموال میں سے کسی کی مدد کرنا یعنی اسے اپنے برابر خیال کرنا، اسے اپنے رزق میں شریک جاننا، دل و جان سے کسی کی غمخواری کرنا

---

[136] ۔ وقعۃ الطف، ص190

یعنی کسی کی اپنے نفس اور مال کے ذریعے مدد کرنا اور فوائد کے حصول اور نقصانات رفع کرنے میں اپنے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان فرق نہ کرنا وغیرہ۔ ایثار کا مطلب یہ ہے کہ انسان مندرجہ بالا دو خصوصیات میں دوسروں کو اپنے اوپر مقدم خیال کرے۔[137]

مندرجہ بالا لغوی معنوں سے اس خصلت کا مفہوم اجمالی طور پر واضح ہو جاتا ہے اور ایک "ہمدرد" انسان وہ ہے جو دوسروں سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور خود کو ان کے دکھ درد میں شریک سمجھتا ہے، اپنی جان و مال سے ان کی حفاظت اور دفاع کرتا ہے اور اپنے آپ اور دوسرے لوگوں کے درمیان کوئی تفریق روا نہیں رکھتا۔

اسلامی روایات میں اس نیک صفت کو بہت سراہا گیا ہے اور اس کی اہمیت کو اول وقت کی نماز کی اہمیت کے ہم پلہ بیان کیا گیا ہے۔ پیغمبر ﷺ کے فرمان کے مطابق:

(مُواساۃُ الأخِ فِی اللهِ عَزَّ وَجَلَّ)

اس کا شمار تین برترا عمال میں ہوتا ہے۔[138]

یعنی اپنے دینی بھائی کے ساتھ خدا کی خاطر مواسات کرنا۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ایک حدیث کے مطابق کسی فرد کے شیعہ ہونے کو آزمانے کا ایک طریقہ اس کا اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ مواسات کرنا ہے۔[139] اور اس کا یہی عمل خدا کے تقرب کا وسیلہ ہے:

---

[137] ۔لغتنامہ دھخدا سے استفادہ کرتے ہوئے، بہ نقل از: ناظم الاطباء، منتھی الارب، التعریفات جرجانی۔

[138] ۔سفینۃ البحار، ج۱، ص۲۴

[139] ۔بحار الانوار، ج۷۱، (بیروت)، ص۳۹۱

(تَقَرَّبُوا اِلَی اللہِ تعالیٰ بِمُواساۃِ اِخْوانِکُمْ)[140]

امیر المومنین علیہ السلام بھی اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ مواسات کو رزق و روزی میں اضافے کا باعث سمجھتے ہیں[141] امام صادق علیہ السلام دوسروں کے تئیں ہمدرد انسانوں کی دعاؤں کو مستجاب خیال کرتے ہیں۔[142] ایک اور جگہ مومن کے سکون وآرام سے جان دینے کے بارے میں فرماتے ہیں: (یہ خصوصیت ان افراد سے مخصوص ہے جو اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ مواسات کرتے ہیں)[143]

عاشوراء کی تاریخ رقم کرنے والوں میں یہ خصوصیت واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے جو اس سے بھی آگے بڑھ کر ایثار کے مرحلے میں پہنچ جاتی ہے۔امامؑ کے ساتھی، امامؑ نیز ایک دوسرے کے لئے اس جذبے کا برملا اظہار کر رہے تھے اور اس راہ میں کوئی بھی چیز قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔اور اس مواسات پر فخر بھی کرتے تھے۔

سید الشہداء علیہ السلام کا کربلا کے راستے میں جب حر کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا تو ان سے اپنی مفصل گفتگو کے دوران آپ نے ایک شاعر کے چند شعر پڑھے جن کا مفہوم کچھ یوں تھا:

"میں اپنے راستے پر چلتا رہوں گا۔ موت ایک ایسے سورما انسان کے لئے کسی طرح بھی ننگ اور شرم کا باعث نہیں ہو سکتی ہے۔ جس کی نیت خیر پر مبنی ہو، جو جہاد کرے اور صالح انسانوں سے مواسات کا برتاؤ کرتا ہو۔"[144]

---

[140] ـ ایضاً

[141] ـ ایضاً، ص ۳۹۵، حدیث ۲۲

[142] ـ ایضاً، ص ۳۹۶، حدیث ۲۳

[143] ـ ایضاً، ص ۳۹۸، حدیث ۳۰

[144] ـ ساہ مضی وما بالموت عار علی الفتی۔۔۔(بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۲۳۸)

محرم کی ایک رات امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے مجمع میں اس غرض کہ جو جانا چاہے وہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے نکل جائے، فرماتے ہیں: جس کو جانا ہے، چلا جائے لیکن (یاد رہے کہ) جو شخص بھی ہمارے ساتھ اپنی جان کے ذریعہ مواسات کرے گا، کل قیامت کے دن جنت میں ہمارے ساتھ ہو گا اور یوں خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب سے محفوظ رہے گا:

(مَنْ واسانا بِنفسِهِ كانَ معنا غداً في الجِنانِ نجيّاً مِنْ غضبِ الرَّحمانِ)[145]

حر نے بھی جب توبہ کی اور امام علیہ السلام کی طرف آئے، تو اس حالت میں آئے کہ امام علیہ السلام پر اپنی جان فدا کریں: (مُواسِياً لَكَ بِنَفْسي)[146] اور انہوں نے ایسا ہی کر دکھایا۔ جب امام علیہ السلام شہید حر کے سرہانے پہنچے اور ان کے سر کو اپنے دامن میں لیا تو ان کی حریت اور آزادی کی تعریف فرمائی اور چند اشعار پڑھ کر ان کی مواسات کا ذکر فرمایا:

(وَنِعْمَ الحُرُّ اِذْ واسى حُسَيْنا وجادَ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الصَّباحِ)[147]

کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل کی تحریک کے سلسلے میں جب جناب ہانی کو گرفتار کر کے دارالامارہ لے جایا جاتا ہے تو وہ لوگ ان سے جناب مسلم کو جو ان کے گھر میں روپوش ہوتے ہیں ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس پر جناب ہانی کہتے ہیں: " خدا کی قسم! اگر میں یک و تنہا بھی رہ جاؤں تب بھی انہیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا چاہے میں قتل کر دیا جاؤں!"[148]

145۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۳۹۹

146۔ ایضاً، ص ۴۳۸

147۔ ایضاً، ص ۴۴۰

148۔ وقعۃ الطف، ص ۱۱۹

جب مسلم بن عقیل علیہ السلام گرفتار ہو جاتے ہیں اور دار الامارہ میں ان کے ساتھ بد سلوکی کی جاتی ہے اور آخر میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے تو جناب مسلم رونا شروع کر دیتے ہیں۔ جب ان سے رونے کی وجہ پوچھی جاتی ہے اور اس پر انہیں کوسا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں: میں اپنی خاطر نہیں رو رہا ہوں بلکہ میں حسین بن علی علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کے لیے رو رہا ہوں کہ جو اس شہر کی طرف آرہے ہیں۔"[149]

جب نافع بن ہلال کو کربلا میں پانی مل جاتا ہے تو وہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کی تشنہ لبی کو یاد کر کے پانی کا ایک قطرہ تک نہیں پیتے۔[150]

مواسات — بلکہ ایثار — کا ایک اور اعلیٰ نمونہ بنی ہاشم اور امام حسین علیہ السلام کے دیگر اصحاب کے مابین نظر آتا ہے۔ دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ کی کوشش یہ تھی کہ پہلے وہ شہید ہو جائے اور یوں دوسرے گروہ پر شہادت میں سبقت حاصل کر لے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بقول امام علیہ السلام ایک خیمے میں بنی ہاشم کے سامنے تقریر فرما رہے تھے۔ اپنی گفتگو کے اختتام پر انہوں نے حاضرین سے پوچھا: کل صبح کیا کرو گے؟ سب نے کہا: جو آپ کہیں۔ عباس علیہ السلام نے فرمایا:

یہ لوگ (دوسرے صحابی) اجنبی ہیں۔ بھاری بوجھ اسے ہی اٹھانا چاہیے جو اسے اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو۔ کل تم (بنی ہاشم) میدان میں جانے والا سب سے پہلا گروہ ہو گے۔ ہم ان سے پہلے موت کے استقبال کے لئے جائیں گے تاکہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ پہلے صحابیوں کو جنگ کے لئے روانہ کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو خود تلواریں میان سے نکالیں۔۔۔

149۔ ایضاً، ص ۱۳۵

150۔ ایضاً، ص ۱۹۱

بنی ہاشم اپنی جگہ سے اٹھے، تلواریں میان سے باہر نکالیں اور عباس بن علی علیہ السلام سے کہنے لگے: ہمارا بھی یہی نظریہ ہے۔

زینب سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں: جب میں نے ان جماعت کے ان ارادوں کو دیکھا تو میرے دل کو سکون ملا۔ لیکن میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ میں نے چاہا کہ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے خیمے میں جاکر انہیں بتاؤں کہ میں نے حبیب ابن مظاہر کے خیمے سے باتوں کی آواز سنی۔ میں گئی اور ان کے خیمے کے باہر کھڑی ہوکر ان کی باتیں سننے لگی۔ میں نے دیکھا کہ بنی ہاشم کی طرح یہاں بھی اصحاب حبیب ابن مظاہر کے ارد گرد جمع ہیں۔ حبیب کہتے ہیں: دوستو! تم کس لئے یہاں جمع ہوئے ہو؟ صاف صاف بتاؤ؟

انہوں نے کہا: ہم جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے غریب الوطن فرزند کی مدد کے لئے آئے ہیں۔

حبیب نے کہا: کیوں تم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دیا ہے؟

کہنے لگے: اسی لیے!

حبیب نے کہا: کل صبح کیا کروگے؟

کہنے لگے: وہی کریں گے جو آپ کہیں گے۔

حبیب بولے: جب صبح ہوگی تو تم لوگ میدان میں جانے والے سب سے پہلے لوگ ہوگے، پہلے ہم لوگ لڑیں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بنی ہاشم میں سے کوئی خون آلود دکھائی دے جب کہ ہم ابھی تک زندہ ہوں اور خون ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہو۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ کہیں کہ اپنے آقاؤوں کو تو میدان جنگ میں بھیج دیا اور فداکاری سے دریغ کیا۔

سب نے اپنی تلواریں نیام سے نکالیں اور کہا: ہم بھی آپ کے نظریہ سے موافق ہیں۔

زینب کبری سلام اللہ علیہا ایک بار پھر امام حسین علیہ السلام کی مدد کے سلسلے میں ان کے مصمم ارادے دیکھ کر خوش ہوئیں۔ لیکن اس بار پھر ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔۔۔[151]

مذکورہ روایت میں آگے چل کر یہ بھی آیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے بنی اسد قبیلہ سے تعلق رکھنے والے اپنے ساتھیوں کو بتا رکھا تھا کہ ہمارے خاندان قیدی بنا لیا جائے تو تم لوگ اپنی عورتوں کو اپنے قبیلے میں چھوڑ آؤ۔ جب امام حسین علیہ السلام کے ایک ساتھی نے اپنی بیوی کو (دشمن کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھنے کے لئے) اپنے قبیلے لے جانا چاہا، تو اس کی بیوی اس کے لیے تیار نہیں ہوئی اور اس نے اپنے شوہر سے کہا: تم نے میرے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیا! کیا یہ ٹھیک ہو گا کہ پیغمبر ﷺ کی بیٹیاں تو قیدی بنالی جائیں لیکن میں آرام اور سکون سے گوشہ عافیت میں رہ جاؤں؟ اگر تم لوگ (بنی ہاشم کے) مردوں کے ساتھ مواسات کر رہے ہو، تو ہم بھی ان کی عورتوں کے ساتھ مواسات کریں گی۔" وہ مرد روتا ہوا امام علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی بھی مواسات کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے۔ امام علیہ السلام نے یہ سن کر اس کے حق میں دعا فرمائی۔

امام حسین علیہ السلام کے مذکورہ ساتھیوں کا امام علیہ السلام کی نسبت مواسات کے سلسلے میں مذکور ہے کہ جس وقت امام علیہ السلام کے ساتھیوں میں

151۔ ایضاً، ص ۴۰۹، بہ نقل از معالی السبطین

سے اکثر شہادت کے درجے پر فائز ہو چکے تھے اُس وقت غفاری نوجوانوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ امام علیہ السلام کی جان کی حفاظت نہیں کر سکتے اور انہیں شہید ہونے سے نہیں بچا سکتے تو انہوں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اجازت لی کہ ان سے پہلے میدان میں جائیں اور شہید ہو جائیں۔ امام علیہ السلام نے ان سے فرمایا: خدا تمہیں جزائے خیر عطا کرے کہ تم میرے ساتھ مواسات کرنے پر اس قدر آمادہ ہو اور اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ وہ دونوں میدان جنگ میں گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔[152]

جب زہیر بن قین امام حسین علیہ السلام کے لشکر سے آملے تو ان سے ان کی اس تبدیلی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا:

میں نے امام حسین علیہ السلام کے گروہ میں شامل ہونے اور ان پر اپنی جان قربان کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ اس طرح خداوند تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کی پاسداری سے عہدہ برآ ہو سکوں؛ جسے تم لوگوں نے تباہ و برباد کر دیا ہے۔[153]

عابس بن شبیب نے کربلا کے میدان میں امام حسین علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

اگر میرے اختیار میں ہوتا کہ میں اپنے خون اور جان سے بڑھ کر کسی چیز کے ذریعہ آپ کو قتل ہونے سے بچا سکتا تو یقیناً اس سے دریغ نہ کرتا۔[154]

جس وقت امام علیہ السلام کربلا کے میدان میں دشمنوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے تو اس وقت جناب عبداللہ بن حسن علیہ السلام اپنے چچا کے پہلو میں کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ابجر بن کعب نے امام علیہ السلام کو شہید کرنے

---

[152] ۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۲۹

[153] ۔ وقعۃ الطف، ص ۱۹۵

[154] ۔ ایضاً، ص ۲۳۷

کے لئے اپنی تلوار ہوا میں لہرائی، تو عبداللہ بن حسن علیہ السلام نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس ملعون کا وار روکنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کا ہاتھ کٹ گیا۔ عبداللہ بن حسنؑ امام حسین علیہ السلام نے کے آغوش میں تھے کہ حرملہ نے انہیں ایک تیر کے ذریعے شہید کر دیا۔[155]

کربلا کے میدان میں اپنی جان کی قربانی کر کے مواسات کے یہ اعلی ترین نمونے پیش کئے گئے یہ تحریک کربلا ہی ہے کہ جس میں اخوت دینی اور انسانی بھائی چارے کا عروج دکھائی دیتا ہے۔

عبداللہ بن جعفر اگرچہ بعض مانع وجوہات کی بنیاد پر بہ نفس و نفیس کربلا کی جنگ میں شرکت نہ کر سکے لیکن انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو جناب زینب سلام اللہ علیہا کے ساتھ بھیجا اور دونوں نے امامؑ پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ بعد میں خود جناب جعفر اس واقعہ کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

اگرچہ میں بذاتِ خود امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مواسات کا حق ادا نہ کر سکا، لیکن میرے دونوں بیٹوں نے مواسات کی بطریق احسن حق ادا کی۔ ان دونوں نے میرے بھائی اور میرے چچیرے بھائی کے ساتھ مواسات کرتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور شہید ہو گئے۔[156]

جس وقت امام زین العابدین علیہ السلام نے کوفہ میں ابن زیاد کے ظلم و ستم کے خلاف پر جوش تقریر فرمائی تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ لیکن یہاں بھی امام علیہ السلام کی پھوپھی جناب زینب سلام اللہ علیہا نے سینہ سپر ہو کر

---

[155] ۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۵۳

[156] ۔ وقعۃ الطف، ص ۲۷۴

جلاد کو خدا کا واسطہ دیا اور فرمانے لگیں: اگر تم انہیں قتل کرنا چاہتے ہو، تو پہلے تمہیں مجھے قتل کرنا ہوگا!"[157]

ایسی مثالیں "ایثار" کی بحثوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ کربلا کا عظیم واقعہ اس طرح کے ایثار اور مواسات سے بھرا پڑا ہے۔

مواسات کا اعلی ترین نمونہ جناب ابوالفضل العباس علیہ السلام نے دکھایا یعنی پیاس کی حالت میں دریائے فرات پر پہنچے اور پانی کا ایک قطرہ پیے بغیر واپس لوٹے۔ وہ فرات پر گئے بھی تو صرف اس لئے کہ اہل حرم اور بلکتے بچوں کی پیاس بجھانے کا سامان کر سکیں اور پانی ہی لاتے ہوئے شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ انہوں نے ایک ایسے بھائی کا کردار نبھایا جو اپنے بڑے بھائی پر ہر وقت جان قربان کر نے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ان کے زیارت ناموں میں بھی ان کی اس برجستہ خصوصیت کا ذکر ملتا ہے:

(فَلَنِعمَ الأخُ المُواسی)[158] یا (اَلسَّلامُ عَلَیكَ اَیُّهَا العَبدُ الصّالِحُ وَالصِّدّیقُ المُواسی، اَشهَدُ اَنَّكَ آمَنتَ بِاللهِ وَ نَصَرتَ ابنَ رَسولِ اللهِ وَ دَعَوتَ اِلی سَبیلِ اللهِ وَ واسَیتَ بِنَفسِكَ)[159]

جن میں ان کے لئے "ہمدرد اور جان چھڑکنے والا برادر" اور ایک "بے لوث ایثار گر" کے القاب استعمال ہوئے ہیں۔ نیز ان توصیف میں مومنانہ شہادت، نصرتِ حق، دعوتِ راہ خدا، اور جان دینے کی حد تک مواسات جیسے اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔

157۔ ایضاً، ص ۲۶۳

158۔ مفاتیح الجنان، زیارت حضرت عباس (ع)، ص ۴۳۶

159۔ ایضاً، عید الفطر و قربان میں زیارت امام حسین، ص ۴۴۸

غمخواری، اخوت اور آپسی تعاون کا یہی سچا جذبہ تمام شہداء عاشورہ کا پیغام ہے۔ یہی خصوصیت اس بات کا سبب بنتی ہے کہ اس مکتب کے پیروکار تمام دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ چاہے ان کا تعلق کسی بھی رنگ و نسل یا زبان اور علاقے سے ہو، برادری کا احساس کریں، ان کے غم اور ان کی پریشانیوں میں ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کریں اور اگر ممکن ہو سکے ان کی مدد کریں تاکہ استکبار، صہیونزم اور عالمی کفر سے وابستہ طاقتوں کے خلاف صف آراء مسلم جوان خود کو تنہا محسوس نہ کریں۔

دینی مواسات خدا کی راہ میں لڑنے والے افراد کی حوصلہ افزائی کا باعث بنتی ہے تاکہ وہ کفر و ستم کے خلاف جہاد کے مورچہ میں تنہا نہ رہیں۔

وفاداری

وفا کا مطلب کسی ایسے عہد و پیمان کا پابند رہنا ہے جو ہم دوسرے سے کرتے ہیں۔ یہ انسان کے ایمان، سچائی، مردانگی اور بہادری کی علامت ہے۔ وفا کا اطلاق خدا کے ساتھ کئے وعدوں کے ساتھ ساتھ دوستوں اور حتیٰ کہ دشمنوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان پر بھی ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق اس عہد پر بھی ہوتا ہے جو ہم نذر کے طور پر کرتے ہیں؛ اس پیمان اور بیعت پر بھی ہوتا ہے جو ہم اپنے امام اور ولی امر کے ساتھ کرتے ہیں۔ مذکورہ تمام صورتوں میں وعدے کا پاس رکھنا اور اسے پورا کرنا واجب ہوتا ہے جبکہ اسے پورا نہ کرنا یا توڑ ڈالنا اور اپنی بیعت، دوستی اور حقوق برادری کے سلسلے میں بے وفائی ضعفِ ایمان کی علامت ہے اور ایک انتہائی بری خصلت ہے۔ خدا نے وعدہ وفا کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور کئے ہوئے وعدے کے بارے میں سوال کرے گا:

(اَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْؤُولاً)[160]

{اور اپنے عہدوں کو پورا کرنا کہ عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا}

قرآنی آیات ان لوگوں کی توصیف و تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ جو اپنے وعدے کے سچے اور وفادار تھے جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ نیز ان اشخاص واقوام کی سرزنش بھی دکھائی دیتی ہے جنہوں نے پیمان شکنی کی۔ حضرت علی علیہ السلام بھی "وفا" کو اہم ترین خصلتوں میں شمار کرتے ہیں:

(اَشْرَفُ الْخَلائِقِ الْوَفاءُ)[161]

بہترین خصلتوں میں سے ایک "وفا" ہے

اپنے ایک اور قول میں وعدہ وفائی کو ایمان کی علامت قرار دیتے ہیں:

(مِنْ دَلائِلِ الْاِیمانِ الْوَفاءُ بِالْعَهْدِ)[162]

وعدہ کا وفا کرنا ایمان کی نشانیوں میں سے ہے۔

اس مقدمہ کے تناظر میں جب ہم کربلا کے واقعے کا جائزہ لیتے ہیں تو وہاں ایک طرف تو ہمیں وفا کے اعلی ترین نمونے دکھائی دیتے ہیں، اور دوسری طرف عہد شکنی، بے وفائی، بیعت کو توڑنے اور وعدوں کی پامالی کی بدترین مثالیں ملتی ہیں۔

حتی کہ امام حسینؑ، معاویہ کے نقائص گنواتے ہوئے اس کی ایک برائی یہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے امام حسنؑ اور خود سید الشہداء علیہ السلام سے جو وعدے کئے، ان میں سے کسی ایک کو بھی پورا نہ کیا۔[163]

---

[160]۔ اسراء، آیہ ۳۴

[161]۔ میزان الحکمہ، ج ۱۰، ص ۶۰۲

[162]۔ ایضاً، ص ۶۰۳

[163]۔ موسوعہ کلمات الامام الحسین، ص ۲۷۸

کوفیوں کی بھی ایک اہم ترین کمزوری ان کی بے وفائی اور وعدے کی پامالی تھی؛ اب چاہے ان وعدوں اور بے وفائی کا تعلق مسلم بن عقیل علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت سے ہو، ان کی مدد کرنے کی یقین دہانی کے بعد انہیں یک و تنہا چھوڑنے سے ہو۔ یا ان کا تعلق امام حسین علیہ السلام کے نام لکھے ہوئے خطوط سے ہو کہ ان سے نصرت اور مدد کا وعدہ کیا اور عین وقت پر نہ صرف یہ کہ امامؑ کی مدد نہیں کی بلکہ ان کے دشمنوں کی صف میں جا ملے اور یوں اپنے سارے خطوط اور ان پر کیے ہوئے دستخط سب کچھ بھول گئے۔

بیضہ کے مقام پر حر کے سپاہیوں سے اپنے خطاب کے دوران امام حسین علیہ السلام کوفیوں کی طرف سے لکھے جانے والے خطوط اور ان میں آپ کی حمایت اور نصرت کرنے کے لیے کی گئی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر آج تم نے وعدے کا پاس نہیں رکھا اور اپنے کئے ہوئے وعدے بھلا دیئے ہیں اور میری بیعت کو اپنی پیٹھ سے اتار پھینکا ہے، تو مجھے میری جان کی قسم! تم کوفیوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور مجھے کوئی تعجب بھی نہیں ہے کیونکہ تم نے میرے والد، میرے بھائی اور میرے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی کچھ اسی قسم کا برتاؤ کیا تھا۔۔۔"[164]

عاشورا کے روز بھی اپنے ایک ولولہ انگیز اور تنقیدی تقریر میں اہل کوفہ کی بیعت، بیعت شکنی، وعدے اور بے وفائی کا تذکرہ فرماتے ہیں اور انہیں ان کی نامردی اور وعدوں کا پاس نہ رکھنے کی وجہ سے لعنت ملامت کرتے ہیں۔[165]

ان تمام بے وفائیوں کا سامنا کرنے کے باوجود، امام حسین علیہ السلام نے ہمیشہ وفا کا پرچم بلند کئے رکھا۔ آپ کے ساتھیوں نے آخری دم تک اپنی وفاداری کا

164۔ ایضاً، ص ۱۶۱۳ بہ نقل از تاریخ آشوب، ج ۴، ص ۱۱۰

165۔ بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۸، مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۱۱۰

ثبوت فراہم کیا اور اس طرح انہوں نے اپنے امام سے جس بیعت اور مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا، آخری سانس تک اس کے پابند رہے۔ خود امامؑ اور آپ کے شہید ساتھیوں کی سچی وفاداری کا تذکرہ روایات اور زیارتناموں میں آج بھی ملتا ہے۔ جس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

عاشور کی شب، جس وقت امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھیوں سے خطاب فرماتے ہیں، ان کی وفاداری کی داد دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(فَإِنِّي لا أَعْلَمُ أَصْحابَ أَوْفى وَ لا خَيْراً مِنْ أَصْحابِي ...)[166]

میں نے آج تک اپنے صحابیوں سے زیادہ بہتر اور باوفا صحابی نہیں دیکھے۔

عاشورا کے دن جس وقت امامؑ عالی مقام اپنے ایک صحابی مسلم بن عوسجہ کے سرہانے پہنچتے ہیں، تو مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرماتے ہیں:

(فَمِنْهُمْ مَنْ قَضى نَحْبَهُ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَ ما بَدَّلُوا تَبْدِيلاً)[167]

ترجمہ: جو لوگ خدا سے کیے ہوئے اپنے وعدہ میں سچے تھے ان میں بعض اپنا وعدہ پورا کر چکے ہیں اور اپنی جان قربان کر چکے ہیں اور بعض انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے اپنے عہد و پیمان میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں لائی۔

جب حبیب ابن مظاہر مسلم بن عوسجہ کے پاس آئے اور انہیں جنت کی بشارت دی، تو مسلم نے اسی حالت یعنی زندگی کے آخری لحات میں حبیب کو نصیحت کی کہ: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اس مرد حق پرست {یعنی امام حسین علیہ السلام کی

---

[166] ۔موسوعۃ کلمات الامام الحسین، ص ۴۷۸

[167] ۔احزاب، آیہ ۲۳

طرف اشارہ کرتے ہوئے } کی حمایت سے کبھی ہاتھ نہ کھینچنا اور اس کی راہ میں قتل ہو جانا" اور یہ کہا اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔[168]

اس سفر کے دوران امام حسین علیہ السلام نے اپنے وعدے کا پاس رکھنے والے شہیدوں کو یاد کر کے کئی مرتبہ مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی اور یوں ان کی وفاداری کو سراہتے رہے۔ کربلا کی جانب سفر کے دوران، جب انہیں قیس بن مسہر کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہاں بھی انہوں نے مذکورہ بالا آیت کی تلاوت فرمائی۔

عباس بن علی علیہ السلام اور ان کے بھائیوں نے بھی وفاداری کا مظاہرہ کیا اور دشمن کی طرف سے ملنے والے امان نامے کو ٹھکراتے ہوئے امام علیہ السلام کی حمایت میں جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

باوجود اس کے امام علیہ السلام نے ان پر سے اپنی بیعت اٹھالی تھی اصحاب امام نے وفا کے تقاضے کے مطابق آپ کے ساتھ میدان جنگ ہی میں رہنے کو ترجیح دی اور عہد شکنی سے اپنے دامنِ کردار کو داغ دار نہ کیا۔ دراصل شہدائے کربلا امام علیہ السلام کی رکاب میں جانثاری کو وعدے کا وفا کرنا سمجھتے تھے اور یوں اپنے پیمان نامے پر اپنے خون سے تائید و تصدیق کی مہر لگاتے تھے۔ عاشورا کے دن عمرو بن قرظہ نے خود کو دشمن کے تیروں اور تلواروں کے آگے بطورِ ڈھال پیش کیا۔ تاکہ امام علیہ السلام پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ ان کے جسم پر اس قدر زخم لگے کہ بے تاب ہو گئے۔ انہوں نے امام علیہ السلام کی طرف دیکھ کر کہا: اے فرزند پیغمبر ﷺ! کیا میں نے وفاداری کا ثبوت دیا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! تم بہشت میں میرے ساتھ ہو گے اور تم جلدی جنت میں داخل ہو گے۔ میرا اسلام پیغمبر ﷺ تک پہنچا دینا۔[169]

168۔ مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۱۵، لھوف، ص ۴۶

169۔ اعیان الشیعہ، ج ۱، ص ۶۰۵

امام حسین علیہ السلام کے زیارتنامہ میں ان سے خطاب کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں:

(اَشْهَدُ اَنَّكَ وَفَيْتَ بِعَهْدِ اللهِ وَجَاهَدْتَ فِى سَبِيلِهِ حَتّٰى اَتَاكَ الْيَقِينُ)[170]

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے خدا کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور یقین (اور شہادت) تک اس کی راہ میں جہاد کیا۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں:

(اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ نَصَحْتَ وَ وَفَيْتَ وَ اَوْفَيْتَ وَ جَاهَدْتَ فِى سَبِيلِ اللهِ)[171]

کہ جو اشارہ ہے پیغام کے ابلاغ، نصیحت پر عمل، مکمل وفاداری اور خدا کی راہ میں جہاد کی طرف۔

ہم جناب مسلم بن عقیل علیہ السلام کے زیارتنامہ میں یوں پڑھتے ہیں:

(وَاَشْهَدُ اَنَّكَ وَفَيْتَ بِعَهْدِ اللهِ)[172]

جس میں خدا کے ساتھ کئے ہوئے وعدے اور حجت خدا پر جان نثار کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت عباس بن علی علیہ السلام کے زیارتنامہ کے الفاظ ہیں:

170۔ مفاتیح الجنان، زیارت اربعین، ص ۳۶۸

171۔ ایضاً، زیارات مطلقہ امام حسین، ص ۴۲۳

172۔ ایضاً، زیارت مسلم بن عقیل، ص ۴۰۲

(اَشْهَدُ لَكَ بِالتَّسليمِ وَالتَّصديقِ وَ الْوَفاءِ وَ النَّصيحَةِ لِخَلَفِ النَّبِیّ ...)[173]

جس میں حضرت عباس علیہ السلام کی اطاعت، تسلیم، تصدیق، وفا اور خیر خواہی کی گواہی دی گئی ہے جو انہوں نے فرزند رسول اللہ (ص) کے لئے دکھائی۔ ہم اسی زیارت نامہ میں حضرت عباس علیہ السلام کے لئے ایسا مکمل اجر طلب کرتے ہیں جو ان لوگوں کو خداوند تعالی کی طرف سے ملتا ہے جنہوں نے اپنی بیعت کا پاس رکھا، امام علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہا، اور ولی امر کے اطاعت گزار رہے۔ در حقیقت یہ لہور نگ جانثاری جس کا انجام شہادت پر ہوا، وہی وعدہ تھا جو امام علیہ السلام کے ساتھیوں نے شب عاشور حجت خدا کے ساتھ کیا تھا اور امامؑ سے مخاطب ہو کر کہا تھا: خدا کی قسم! ہم کسی صورت میں بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے، ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں! ہم اپنے خون آلودہ گلے، ہاتھوں اور چہروں کے ساتھ آپ کی حمایت کرتے رہیں گے۔ اگر ہم شہید ہو جائیں تو سمجھیں گے کہ ہم نے آپ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کیا ہے اور اپنی ذمہ داری نبھائی ہے:

(...فَاِذا نَحْنُ قُتِلْنا، كُنّا وَفَيْنا وَ قَضَيْنا ما عَلَينا)[174]

وفا کا پیغام عاشورا والوں کے ذریعے اس راہ کے وارثوں تک پہنچا ہے کہ وہ خدا اور شہیدوں کے خون کے ساتھ کئے ہوئے اپنے وعدے اور رہبر اور مقام ولایت سے کئے ہوئے اپنے پیمان کی پوری زندگی وفاداری کرتے ہیں۔ راستہ کی سختیاں، دنیا کی چکا چوندی اور ہمراہیوں کی نااہلی ان کو اس راستہ پر آگے بڑھنے سے ہر گز نہیں روک سکتی۔

---

173 ۔ ایضاً، زیارت حضرت عباسؑ، ص ۴۳۴

174 ۔ وقعۃ الطف، ص ۱۹۹

دنیا کے ہر لیڈر اور رہنما کو چند ایسے باوفا ساتھیوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کی سچائی، حمایت اور وفا کے ذریعہ وہ ایک انقلابی اور اصلاحی تحریک کی رہنمائی کر سکے اور اپنے مد نظر اہداف تک رسائی حاصل کر سکے۔



ائمہ طاہرین نے اس واقعہ کو ہمیشہ زندہ رکھنے کی جو تلقین کی ہے اور اس کے احیاء کے سلسلے میں جو اتنا اہتمام کیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ واقعہ مجسم اسلام ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ہم مجسم اسلام کو بھول جائیں۔ جب ہم اس (اخلاقی) نگاہ سے کربلا کو دیکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کربلا میں اسلامی اخلاقی اقدار مکمل طور سے جلوہ نمائی کر رہی ہیں

(استاد شہید مرتضیٰ مطہری)

مطہری فکری و ثقافتی مرکز
Email: ummetkmr@yahoo.com